ستمبر
۲۰۰۲

موسس
سید ابو الاعلیٰ مودودی

ماہنامہ
ترجمان القرآن

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن


ضرورت بھی اور زینت بھی
EVERLASTING, ECONOMICAL & ELEGANT
METRO
BALLASTS
Executive
ECONO
ISO 9002
Certified Company
میٹرو
ٹیوب لائیٹ فٹنگ
یونس انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ جی ٹی روڈ گجرات
فون: 525202 - 525201 - 0433-516580 فیکس: 92-433-525209
Authorised Marketing and Distribution Agents:
HEAD OFFICE:
10-SABIR STREET, ICHHRA, LAHORE.
PH: 7587916 FAX: 7585590
BRANCH OFFICES:
• 6-Y-K, Madina Town, Faisalabad. Ph: 041-712375
• A-70 - C, Ghulshan-e-Jamal, Rashid Minhas Road Karachi Ph: 4572253
PAK DISTRIBUTIONS
MARKETING BASED DISTRIBUTION NETWORK

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد ۱۲۹، عدد ۹، رجب ۱۴۲۳ھ، ستمبر ۲۰۰۲ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)

فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@wol.net.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)

فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے

زر سالانہ: ۲۰۰ روپے

تاحیات: ۳۰۰۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران، بھارت: ۶۰۰ روپے

یورپ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، افریقہ: ۹۰۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۲۰۰ روپے

زیر اہتمام: البلاغ ٹرسٹ

۶۰ سال پہلے!

پریس اور کاغذ کے لیے ہم نے اپنے ہمدردوں سے اعانت کی درخواست کی تھی۔ اس کے جواب میں ۵ ستمبر تک جو رقمیں وصول ہوئی ہیں ان کی مجموعی مقدار دو ہزار سات سو چھبیس روپے ہے۔ اس میں سے ۱۶۲۶ روپے بطور اعانت آئے ہیں اور ۱۱ سو روپے بطور قرض۔ پریس خرید لیا گیا ہے اور یہاں لا کر نصب کیا جا چکا ہے۔ اب صرف بجلی کی آمد اور ڈیکلریشن کی منظوری کا انتظار ہے۔ یہ دو مرحلے طے ہونے کے بعد ان شاء اللہ ہماری مطبوعات خود اپنے پریس میں طبع ہونے لگیں گی۔ اب دوسری اہم ضرورت کاغذ کے ذخیرہ کی فراہمی ہے جس کے لیے ہم پوری جدوجہد کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں ابھی ہم کو مزید اعانت کی ضرورت ہے۔ (''اشارات''، ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۲۱، عدد ۲، شعبان ۱۳۶۱ھ، ستمبر ۱۹۴۲ء، ص ۲)

قومی انتخابات ۲۰۰۲ء

قاضی حسین احمد

امیر جماعت اسلامی پاکستان

سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں پرویز مشرف صاحب کو تین سال کی جو مدت دی تھی وہ اب مکمل ہورہی ہے۔ ان کی حکومت نے جو سات نکاتی ایجنڈا قوم کے سامنے پیش کیا تھا' اس کا پہلا نکتہ قوم کو مایوسیوں سے نکال کر انھیں اعتماد دینے کا ایجنڈا تھا۔ اس لحاظ سے یہ حکومت مکمل طور پر ناکام ہوگئی ہے۔ موجودہ حکومت قوم کو کوئی نشانِ منزل نہیں دے سکی ہے بلکہ ملک بنانے والوں نے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو اسلامی مملکت بنانے کے جس مقصد کے لیے متحد کیا تھا' جس کے لیے انھیں قربانیوں پر آمادہ کیا تھا' جس کی خاطر لاکھوں جانوں کی قربانی دی گئی تھی اور جس کی خاطر ایک کروڑ لوگوں نے اپنے گھربار چھوڑ دیا تھا' موجودہ حکومت نے سیکولرازم اور کمال ازم کا تذکرہ کر کے اور نصاب تعلیم اور دینی مدارس میں مداخلت کر کے اس منزل کو بھی متنازعہ بنانے کی کوشش کی۔ موجودہ حکومت نے امریکی اتحاد میں شمولیت اختیار کر کے تہذیبوں کی جنگ میں عملاً اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا ہے۔ امریکی افواج کو افغانستان میں مداخلت کی خاطر ہوائی اڈے فراہم کیے۔ ان کے ہوائی جہازوں اور میزائلوں کے لیے اپنی فضا فراہم کی اور انھیں خفیہ معلومات فراہم کیں۔

مغربی اقوام اور امریکہ کے دباؤ کے تحت موجودہ حکومت اپنی کشمیر پالیسی سے دست کش اور کشمیری مجاہدین کی امداد سے دست بردار ہوگئی ہے۔ اس نے جہاد کو دہشت گردی' اور مجاہدین کی امداد کے لیے آزاد کشمیر سے مقبوضہ کشمیر میں جانے کو دراندازی تسلیم کر کے اس کو بند کرنے کے لیے اقدامات کیے ہیں۔ موجودہ حکومت کے ان اقدامات سے امریکہ تو خوش نہ ہوسکا کیونکہ امریکی اور مغربی پالیسی صہیونی اور بھارتی مفادات کے تابع ہے البتہ اس کے نتیجے میں حکومت نے ملک کے اندر امریکہ اور بھارت کے خلاف موجود شدید نفرت کا

رخ اپنی طرف موڑ لیا ہے۔

اگر محب وطن اور بیدار مغز دینی قیادت لوگوں کی صحیح رہنمائی کر کے ان کی جدوجہد کو مثبت راستوں پر نہ ڈالتی تو حکومت نے اس صورت حال سے تخریبی قوتوں کو فائدہ اٹھانے کا پورا پورا موقع فراہم کر دیا تھا۔ ملک کے اندر تخریبی کارروائیوں کی مذمت کر کے اور چرچ اور مشنری اسکول اور مشنری ہسپتال پر حملوں کو اسلام دشمن قوتوں کی کارروائی قرار دے کر' دینی قیادت نے ملک کو تخریب کاروں کی آماجگاہ بننے سے بچایا ہے۔

حکومت کی پالیسیوں کے نتیجے میں پاکستان میں امن و امان کی حالت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ سرمایہ کار اپنا سرمایہ طویل مدت کے صنعتی منصوبوں میں لگانے سے گریزاں ہیں لہٰذا بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ درآمدی اور برآمدی تجارت کی مقدار کم ہوگئی ہے اور قوم بے یقینی کی شکار ہے۔ پاکستانی قوم کو اپنی ایٹمی صلاحیت پر ناز تھا لیکن یہ صلاحیت بھی اب پوری طرح امریکی نرغے میں ہے۔ افغانستان میں امریکہ اور اس کے مغربی اتحادی فوجوں کی حکومت ہے جنھیں مزاحمت کا سامنا ہے۔ اب امریکی' پاکستان کے قبائلی علاقے میں بھی مداخلت کر رہے ہیں اور بہانہ یہ بنا رہے ہیں کہ وہ القاعدہ کے مجاہدین کا پیچھا کرنے کے لیے آتے ہیں۔ پاکستانی افواج امریکی دباؤ کے تحت قبائلی علاقے میں ان کا ساتھ دے رہی ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہماری مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہوگئی ہیں بلکہ پہلی مرتبہ ہماری افواج کو داخلی طور پر بھی مخالفت کا سامنا ہے۔

تین سالہ ناکام دور کے خاتمے پر جنرل پرویز مشرف صاحب اس خوف سے دوچار ہیں کہ آزادانہ انتخابات کے نتیجے میں جو منتخب اسمبلیاں معرض وجود میں آئیں گی وہ اگر ان کے حسب منشا لوگوں پر مشتمل نہ ہوئیں تو ان کو اپنے اقدامات کے لیے جواب دہی کرنا پڑے گی۔ اس خوف کی وجہ سے پرویز مشرف حکومت نے انتخابات سے حسب منشا نتائج حاصل کرنے کے لیے قبل از انتخابات دھاندلی کا ایک منصوبہ بنایا ہے۔ اس منصوبے کے تحت انھوں نے آئینی ترامیم کا ایک پیکج کسی دستوری اختیار کے بغیر نافذ کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں منتخب اسمبلیاں خودمختار نہیں ہوں گی بلکہ انتخابات کے بعد بھی اصل اختیار غیر منتخب اداروں اور افراد کے پاس رہے گا۔ قومی سلامتی کونسل کا ادارہ جس میں تینوں افواج کے سربراہ اور ان کے سربراہوں کے ادارے کا چیف' وردیوں والے چار جرنیل اور صدر (موجودہ صدر بری فوج کے سربراہ بھی رہنا چاہتے ہیں) اصل قوت ہوں گے۔ یہ ادارے اور صدر اسمبلیوں اور حکومت کو توڑنے اور برخاست کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس طرح فوج کے مستقل طور پر سیاست میں ملوث اور دخیل رہنے کا راستہ ہموار ہوگیا ہے اور جو ملک ایک جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیا گیا تھا مستقل طور پر فوج کی عمل داری میں دے دیا گیا ہے۔ دستوری ترامیم کے مطابق صوبوں میں صدر کے نامزد گورنروں کا راج ہوگا۔ وہ اسمبلیوں کو اور صوبائی حکومتوں کو برخاست کر سکیں گے۔

ایسے حالات میں دینی جماعتوں کا اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' (MMA) روشنی کی ایک کرن ہے۔ یہ کرن مجلس عمل کی شریک جماعتوں کی قیادت اور کارکنوں کے اخلاص عمل اور قربانی سے روشنی کا مینار بن سکتی ہے۔ ''متحدہ مجلس عمل'' کی صورت میں پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دینی سیاسی جماعتوں نے آپس میں مل کر انتخابی اتحاد بنایا ہے۔ اس سے قبل مذہبی جماعتوں نے ملک کی دوسری جماعتوں سے مل کر ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کے مقابلے میں پاکستان قومی اتحاد بنایا تھا جس کے سربراہ مولانا مفتی محمود مرحوم تھے اور جس کا نعرہ بھی نظام مصطفیٰ تھا۔ موجودہ مجلس عمل میں چھ مذہبی سیاسی جماعتوں، جماعت اسلامی، جمعیت علماے اسلام (فضل الرحمٰن)، جمعیت علماے اسلام (سمیع الحق)، جمعیت علماے پاکستان، مرکزی جمعیت اہل حدیث اور اسلامی تحریک پاکستان (سابق تحریک فقہ جعفریہ) نے آپس میں اتحاد کیا ہے اور مشترک منشور، مشترک دستور، مشترک تنظیم، ایک جھنڈے اور ایک انتخابی نشان کے تحت مل کر انتخاب لڑنے اور تمام معاملات میں مشترک موقف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ بلاشبہہ ایک ناقابل یقین پیش رفت (break through) ہے۔ اس طرح کا اتحاد عوام کا دیرینہ مطالبہ تھا۔ اب مذہبی جماعتوں پر تنگ نظری اور فرقہ پرستی کا الزام لگانے والوں کے منہ بند ہو گئے ہیں۔ شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مکاتب فکر کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر متفق ہو جانا اور ان سفارشات کے نفاذ کے مطالبے کو اپنے منشور میں شامل کرنا ایک بابرکت اور اہم قدم ہے۔ اگر یہ اتحاد قائم و دائم رہے تو اُمت مسلمہ کے لیے بے شمار برکات اور خوش خبریوں کا حامل بن سکتا ہے۔ اُمت مسلمہ پر اس کے دُور رس خوش گوار اثرات کے پیش نظر اس اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے تمام شامل جماعتوں کے کارکنوں اور ان کی قیادت کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپس میں حقیقی محبت اور اعتماد پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہیں اور اتحاد و یک جہتی کے جذبے کو عوام الناس کے رگ و ریشے تک پہنچا دیں۔

اتحاد کے جذبے کو عام کرنے کے لیے مشترک انتخابی مہم اہم ترین ذریعہ ہے۔ مشترک انتخابی مہم کو کامیاب بنانے کے لیے درج ذیل اقدامات ضروری ہیں:

قائدین کا ملک گیر دورہ: چھ جماعتوں کے سربراہ مل کر پورے ملک کے طول و عرض کا دورہ کریں۔ تمام شریک جماعتیں مل کر اس کا پروگرام بنائیں۔ اس دورے کے دوران متحدہ مجلس عمل کا اللہ اکبر اور سبز ہلال والا سفید جھنڈا عوام کے دلوں پر نقش ہو جائے۔

مشترک نعرے: انتخابی مہم کے دوران ملک کی گلی کوچوں میں، چھوٹے بڑے جلسوں اور جلوسوں میں ایسے نظریاتی اور پیغام کے حامل نعرے لگائے جائیں جو عوام کے دلوں کی آواز ہیں۔ اگر کہیں حاضرین

میں ایسے نعرے لگ جائیں جس سے دوسروں کو اتفاق نہ بھی ہو تو برداشت اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے کیونکہ اختلافات کو دُور کرنے کے لیے وقت، حوصلہ اور صبر درکار ہے۔ آپس میں عفو و درگزر کے جذبے کے بغیر مہمات کو سر نہیں کیا جاسکتا۔

مساجد کو مرکز بنانا: ''متحدہ مجلس عمل'' میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے نمایندے شامل ہیں اس لیے ملک بھر کی تمام مساجد کو اس تحریک کے مراکز کے طور پر کام کرنا چاہیے۔ دنیاوی سیاست کے علم بردار دینی جماعتوں کے کارکنوں اور علما و خطبا پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مساجد کو سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست دوسرے دینی فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم کو مٹانے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اسلامی حکومت قائم کی تھی۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے انھوں نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، ان کی تربیت کی، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی، انھیں ہجرت اور جہاد پر آمادہ کیا اور طویل جدوجہد کے بعد اسلامی حکومت قائم کر دی جس کے ذریعے قرآن کے احکام نافذ کیے اور عام انسانوں کو عدل و انصاف فراہم کیا۔ اس غرض کے لیے حضور نبی کریمؐ نے مسجد کو مرکز بنایا۔ مسجد کو اسلامی سیاست کا مرکز بنانا حضور نبی کریمؐ کی سنت ہے۔ اعتراض کرنے والے دین کے حقیقی تصور سے جس میں دین و دنیا کی تفریق نہیں، آگاہ نہیں ہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ مسجد میں سیاسی حکمت عملی بیان کرتے وقت قرآن وسنت سے دلائل دیے جائیں۔ دوسروں کی دل شکنی اور دل آزاری سے پرہیز کیا چاہیے۔ دینی جماعت کے کارکن اور عام سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے اخلاق میں نمایاں فرق ہونا چاہیے اور کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جو دینی تعلیمات کے دائرے سے باہر ہو۔

دفاتر کے علاوہ محلے کی مسجد کو بھی مجلس عمل کی انتخابی سرگرمیوں کا مرکز بنایئے اور تمام نمازیوں کو ان سرگرمیوں میں شرکت پر آمادہ کیجیے۔ یہ کام حکمت اور محبت کے ساتھ کرنے کا ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو اسے محبت سے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ دنیا کا نہیں، دین کا کام ہے۔ البتہ مسجد میں شور کرنے سے ہرصورت میں بچنا چاہیے اور لوگوں کی نمازوں اور عبادت، تلاوت قرآن اور درود و وظائف میں ہرگز مخل نہیں ہونا چاہیے۔

دین اور سیاست کی دوئی کے تصور کو ختم کرنا علماے کرام کا فرض ہے۔ دینی جماعتیں اگر انتخابی مہم چلا رہی ہیں تو اسی وجہ سے چلا رہی ہیں کہ یہ ایک دینی فریضہ ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام حضور نبی کریمؐ کی اہم ترین سنت ہے اور اس کے احیا میں اُمت کی زندگی ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے جدوجہد اور انتخاب میں شرکت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لغدوۃ او روحۃ فی سبیل

اللّٰہ خیر من الدنیا وما فیھا " اللہ کے راستے میں ایک صبح کا چلنا یا ایک شام کا چلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے''۔ انتخابی مہم میں کام کرنے کے لیے وقت نکالنا' جلسے جلوس میں شرکت کرنا اور ووٹروں تک مجلس عمل کا پیغام پہنچانا اللہ کے راستے میں چلنا ہے اور بلاشبہہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

کارکنوں کو باہمی ربط بڑھانے کے لیے حضور نبی کریمؐ کے امتی ہونے کا تصور پوری طرح ذہن نشین کرنا چاہیے اور اپنی دوسری حیثیتوں کو ثانوی درجہ دینا چاہیے۔ ''اللہ کی محبت' اللہ کے رسولؐ کی محبت اور اللہ کے راستے میں جہاد کی محبت'' وہ مشترک محبتیں ہیں جو ہمیں جوڑ کر رکھتی ہیں۔ دوسری کسی محبت کو ان محبتوں پر غالب نہیں آنا چاہیے۔ اگر ہم دوسری محبتوں کو ان بنیادی محبتوں پر ترجیح دیں گے تو اس کا نتیجہ دنیا و آخرت کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ یہ بات اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو اس آیت میں اچھی طرح سمجھائی ہے:

> اے نبی کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ' اور تمھارے بیٹے' اور تمھارے بھائی' اور تمھاری بیویاں' اور تمھارے عزیز و اقارب' اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں' اور تمھارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے' اور تمھارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سامنے لے آئے۔ (التوبہ ۹:۲۴)

عوام الناس کو بتایا جائے کہ ووٹ دینا ایک دینی فریضہ ہے۔ یہ حق کی گواہی ہے اور جب مسلمان کو حق کی گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو گواہی دینا اس کا فرض ہے۔ حق کی گواہی دینے سے احتراز کرنا دینی فریضے کو ادا کرنے سے احتراز اور حق کی گواہی چھپانا ہے۔ اللہ کا حکم ہے: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ط (البقرہ ۲:۲۸۳) ''گواہی مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے تو اس کے دل میں گناہ ہے''۔

ایک ایسے شخص کو ووٹ دینا جو خود نااہل اور فاسق ہے یا وہ ایسی پارٹی کے ساتھ ملا ہوا ہے جس کی قیادت خیانت کرنے والے نااہل لوگوں پر مشتمل ہے' اپنی امامت نااہل کے سپرد کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے اللہ نے منع کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النساء ۴:۵۸) ''مسلمانو' اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو' اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو''۔

عوام الناس کو جاننا چاہیے کہ اگر وہ خود ووٹ دیتے وقت عدل اور انصاف نہیں کریں گے اور نااہل کو اختیارات کی امانت سپرد کریں گے تو اس کے نتیجے میں ظلم کا نظام برقرار رہے گا۔ پولیس بھی ظالم ہوگی' ڈی سی

اور کمشنر بھی ظلم کرتے رہیں گے اور سیاست دان بھی لوٹ کھسوٹ جاری رکھیں گے اور تمام محکموں میں نااہل لوگ عوام کے ساتھ بے انصافی پر قائم ہوں گے۔ حالات میں تبدیلی اسی وقت ممکن ہے کہ عام ووٹر اپنے ووٹ کی پرچی کو امانت اور انصاف کے اصول کو مدنظر رکھ کر استعمال کرے۔ اگر ووٹ دیتے وقت عام آدمی خود عدل نہیں کرے گا تو اسے انصاف اور عدل کا نظام نہیں ملے گا۔

مختلف دینی جماعتوں کے کارکنوں کو مل جل کر تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی مساجد میں نماز ادا کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تحائف کا تبادلہ کرنا چاہیے۔ محبت اور اخلاص کے ساتھ ایک دوسرے کو سلام کرنا چاہیے اور آپس میں حسن ظن رکھنا چاہیے۔ ایک دوسرے پر بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ایک دوسرے کی عیادت کرنی چاہیے اور ایک دوسرے کی خوشی اور غمی میں شرکت کرنی چاہیے۔ باہمی ربط سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے اور دوری اور فاصلوں کی وجہ سے بدگمانی پیدا کرنے والوں کو مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر منبر ومحراب سے ایک ہی آواز اٹھے اور یہ آوازیں آپس میں ہم آہنگ ہوجائیں تو کوئی دوسرا میڈیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ ہر گلی کوچے میں واقع مسجد کو مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی زندگی کو پاک کرنے کے مقدس فریضے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ مسجد اگر مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی اصلاح کی جدوجہد کا مرکز بن جائے تو اللہ کے باغی خیانت کار لوگوں کی سیادت کا خاتمہ ہوجائے گا۔

ووٹ دینے کے لیے فہرست میں اپنا نام ابھی سے معلوم کرنا' پولنگ اسکیم میں دل چسپی لینا' شناختی کارڈ ساتھ رکھنا اور اپنے پولنگ اسٹیشن کا پتہ کرنا ہر ووٹر کی اپنی ذمہ داری ہے۔ ایک ذمہ دار شہری اور ایک اچھے مسلمان کے طور پر اس ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ خواتین کے پولنگ اسٹیشن مردوں سے الگ محفوظ مقامات پر بنائے جائیں۔ مجلس عمل کے کارکنوں کو خواتین کے پولنگ اسٹیشنوں کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کرنے چاہییں۔ ابھی سے خواتین انتخابی کارکنوں کو تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

''متحدہ مجلس عمل'' کا جو بھی امیدوار ہو اور اس کے نشان کتاب پر انتخاب لڑ رہا ہو اس کے لیے کام کرنا تمام جماعتوں کے کارکنوں کا فرض ہے۔ اگر ایک جماعت کو ملک کے ایک حصے میں ٹکٹ ملے ہیں تو دوسرے حصے میں دوسری جماعت کو حصہ ملا ہوگا اور یہ فیصلے قائدین نے مل جل کر کیے ہیں۔ تمام کارکنوں کو قائدین کے فیصلوں کا احترام کرنا چاہیے۔ ہم مشترک مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں اور کسی ایک کی کامیابی سب کی کامیابی ہے۔

اکتوبر کے انتخابی عمل پر ہمارے ملک کے مستقبل کا دارومدار ہے۔ ایک جان دار انتخابی مہم کی صورت

میں دھاندلی کی سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اگر عوام جوش و خروش سے انتخابی مہم کے دوران گھروں سے نکل آئے تو حکومتی مشینری کو قاعدے' ضابطے کے مطابق درست رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ ملک کے روشن مستقبل کا دارومدار پُرامن اور پُرجوش انتخابی مہم پر ہے اور اس بات پر ہے کہ ووٹر بڑی تعداد میں پولنگ اسٹیشن آئیں۔ یہ اس وقت ہوگا جب ووٹر کو امید کی کرن نظر آئے گی۔ انھیں انتخاب کے بہتر نتائج کی اُمید دلانا مجلس عمل کے کارکنوں کا اہم ترین فریضہ ہے۔ مجلس کے کارکن فتح کے یقین سے سرشار ہوکر کام کریں گے' تب ہی دوسروں کو فتح کا یقین دلاسکیں گے اور عام ووٹر کے دل میں امید کی شمع روشن کرسکیں گے۔ پچھلے عام انتخابات میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف ۳۵ فی صد ووٹ پڑے تھے۔ اگر مجلس کے کارکنوں کی کوشش کے نتیجے میں ۶۰' ۷۰ فی صد ووٹ پڑ جائیں تو ووٹ کی پرچی سے انقلاب یقینی ہو جائے گا۔ جو لوگ ووٹ کے لیے پولنگ اسٹیشنوں پر جانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے وہ دراصل کسی اچھی اور بڑی تبدیلی کی توقع نہیں رکھتے' اگرچہ وہ تبدیلی کے حامی ہوتے ہیں۔ اگر مجلس عمل کے کارکن لوگوں کو فتح اور بہتر تبدیلی کا یقین دلانے میں کامیاب ہو جائیں اور گھروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے سینوں میں امید کی شمع روشن کردیں اور مرد اور خواتین جوق در جوق دینی جذبے سے سرشار ہوکر امت کو پستی سے نکال کر بلندیوں کی طرف گامزن کرنے کا عزم لے کر نکل کھڑے ہوں تو ووٹ کی ہر پرچی ان شاء اللہ اسلامی انقلاب کی نوید بن جائے گی۔

تحریک اسلامی کے کارکنوں سے ہماری خصوصی گزارش ہے کہ ان دنوں میں ذکر اور استغفار کا خصوصی اہتمام کریں' اللہ تعالیٰ سے مدد اور نصرت طلب کریں۔ ملک کے حالات اور تحریک اسلامی کی حکمت عملی کو لوگوں تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم سب بارگاہِ الٰہی میں پورے عجز و انکساری کے ساتھ التجا کریں کہ وہ اس ملک کو ہر طرح کی آفات سے محفوظ رکھے' اہل وطن کی صحیح رہنمائی فرمائے' ان کے دلوں کو مسخر فرما دے' بند دروازوں کو کھول دے اور یہ ملک' یہ قوم--- پوری قوم اس پاک سرزمین کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ایک حقیقی اسلامی' فلاحی اور جمہوری ریاست بنانے میں سرگرم ہوسکے۔ نیز اللہ تعالیٰ اسے وہ قیادت فراہم فرمائے جو اسے ان بحرانوں سے نکال کر اسلام کی شاہراہ پر گامزن کرسکے۔ (آمین)

خرم مراد

(انتخابات اور قوم کی ذمہ داری' ص ۷' منشورات' لاہور)

موت برحق ہے، کوئی اس سے بھاگ نہیں سکتا
اپنے وقت پر وہ آ لے گی

موت کے بعد کیا ہونا ہے؟
لوگ جو اندازے کریں، ہم مسلمان علم رکھتے ہیں،
جانتے ہیں کیا ہونا ہے، بیان کرتے ہیں
ایک دوسرے کو بتاتے ہیں، پڑھتے ہیں، سنتے ہیں
آخرت کے تذکرے کی کمی نہیں
ہر مرنے والا، ہر جنازہ یاد دلاتا ہے

مگر ---ہم بھولے رہتے ہیں

— نماز پڑھتے نہیں، پڑھتے ہیں تو حضوری قلب کے بغیر

— کاروبار کرتے ہیں تو نفع کے لیے بدمعاملگی سے نہیں چوکتے

— ٹھیکے داری کرتے ہیں تو دھوکا دینے میں تکلف نہیں کرتے

— ورثہ تقسیم کرتے ہیں تو دوسروں کے حق غصب کرتے ہیں

— نظر کی حفاظت نہیں کرتے، خیانت کو گناہ نہیں سمجھتے

— اسی طرح، کتنے ہی مواقع، کتنے ہی موڑ، کتنے ہی فیصلے......

ہم یقیناً بھول جاتے ہیں۔
چند گز کی قبر ہی آخری ٹھکانا ہے! جنت کی ہوائیں؟ یا نارِ جہنم کی لپٹیں؟

ہم کیوں بھول جاتے ہیں؟
ہم اتنے کوتاہ نظر، کوتاہ اندیش کیوں ہیں؟

(خیرخواہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

۱۱ستمبر کی ستم کاریاں

پروفیسر خورشید احمد

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء ایک یادگار دن اور ایک تاریخی موڑ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے!

ستمبر کی اس تاریک صبح کے خونی واقعات کے نتیجے میں امریکہ ہی نہیں، پوری دنیا میں ایک ہل چل مچ گئی ہے۔ نیویارک کا فلک تاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر دو گھنٹے میں زمین بوس ہوگیا' پینٹاگون کی ناقابل تسخیر دیواریں منہدم ہوگئیں' اور دنیا کے ۲۸ ملکوں سے تعلق رکھنے والی ۲۸۹۰ قیمتی جانیں آناً فاناً میں لقمہ اجل بن گئیں--- ایک دنیا ورطۂ حیرت میں تھی کہ دنیا کے سب سے زیادہ طاقت ور ملک کے سیاسی اور تجارتی مراکز میں یہ سب کچھ کیسے ہوگیا--- اور آج ایک سال گزر جانے کے باوجود' اور امریکہ کے ایک بپھرے ہوئے شیر کی حیثیت سے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دینے' افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے' القاعدہ اور طالبان کی سرزنش کے نام پر ہزاروں معصوم انسانوں کو تہ و تیغ کر دینے اور ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر پوری دنیا کو ایک نئے تصادم کی آگ میں جھونک دینے کے باوجود' دنیا کی حیرت کا عالم وہی ہے جو ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو تھا' بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ! اتنا تو بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ۱۱ستمبر کے واقعے کے بعد

ع نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

لیکن یہ ہنوز ایک معما ہے' سمجھنے کا نہ سمجھانے کا' کہ جو کچھ ہوا' کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ کس نے کیا حاصل کیا؟ اور اب ہم سب کہاں جا رہے ہیں؟ یہی وہ سوالات ہیں جو آج ایک سال کے بعد بھی دنیا کے تمام سوچنے سمجھنے والے انسانوں کی نیند حرام کیے ہوئے ہیں اور مسئلہ محض انسانوں کی نیند کا نہیں انسانیت کے مستقبل اور دنیاے تہذیب کے آیندہ نقشے کا ہے۔ بات صرف ایک واقعے' ایک حادثے' ایک سانحے اور ایک المیے کی نہیں' خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو--- بلکہ پوری انسانی بستی کے دروبست کی ہے' اور عالمی بساط

پر امریکہ کے کردار اور نئے عالمی نظام کے رخ اور روش کی ہے جس کی لپیٹ میں تمام ہی اقوام عالم آتی جارہی ہیں۔ سیاست اور عالمی حکمرانی کے نقشے میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور افق پر جو نئے خطرات ابھر کر سامنے آ گئے ہیں ان کو نظرانداز کرنا اور صرف خاموش تماشائی کا کردار اختیار کر لینا انسانی تہذیب و تمدن اور اقوام عالم کی آزادی اور حاکمیت کے ایک نئے تاریک دور کی گرفت میں آ جانے کا سبب بن سکتا ہے۔ امریکہ کی قیادت نے جو راستہ اختیار کیا ہے اور اس کے صدر جارج بش اور ان کی ٹیم جس سمت میں بگ ٹٹ دوڑ رہی ہے وہ خود امریکہ' پوری انسانی برادری اور خصوصیت سے اُمت مسلمہ اور پاکستان کے لیے بے پناہ خطرات کا پیغام ہے۔ بظاہر ہدف ''عالمی دہشت گردی'' ہے لیکن جس طرح ۱۱ ستمبر کے واقعات کو بنیاد بنا کر امریکی بالادستی کا ایک نیا سامراجی نظام قائم کیا جارہا ہے' اس نے ان واقعات اور ان کے جلو میں اختیار کی جانے والی حکمت عملی اور عالمی جنگ و جدل کے بارے میں بڑے بنیادی سوالات اٹھا دیے ہیں جن پر غور کرنا ہماری اور انسانیت کی بقا اور درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح حکمت عملی اور اقدامات کی تیاری کے لیے ضروری ہے۔ ۱۱ ستمبر کی اس پہلی برسی پر ہم اختصار سے یہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ امریکہ نے جس طرح ان واقعات کا سہارا لے کر اپنی عالمی پالیسی کی صورت گری کی ہے۔ اس کے آئینے میں ۱۱ ستمبر کا کیا چہرہ نظر آتا ہے اور عالمی سیاسی بساط (global political chessboard) میں اس واقعے کا کیا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ اس کے کیا اثرات خود امریکہ' عالمی نظام' اُمت مسلمہ اور پاکستان پر پڑ رہے ہیں۔ سمجھنے کی ضرورت یہ ہے کہ دنیا کہاں جا رہی ہے اور ہم سب کن حالات سے دوچار ہو گئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ خطرات کس نوعیت کی حکمت عملی اور تیاری کا تقاضا کر رہے ہیں۔

تفتیش کیوں نہیں؟

سب سے پہلا سوال جس نے ہمیں اور دنیا کے سوچنے سمجھنے والے انسانوں کو پریشان کر رکھا ہے یہ ہے کہ اتنے بڑے واقعہ کے بارے میں اصل حقائق کو جاننے' بے لاگ اور شفاف انداز میں اعلیٰ عدالتی تفتیش کے ذریعے صحیح صورت حال کو محقق کرنے' اس کے اسباب و محرکات کا تجزیہ کرنے' اور ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کسی ایسی متفقہ حکمت عملی (consensus strategy) کو وضع کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی گئی جس کے اختیار کرنے سے انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے' سب کو اطمینان حاصل ہوتا' جبر کے بجائے رضامندی سے لائحہ عمل طے ہوتے اور انسانیت مستقبل میں ایسے خطرات اور حادثات سے بچ سکتی۔ امریکہ کی قیادت نے جس سہل انگاری' جس جلدبازی' جس رعونت اور جس سطحیت کے ساتھ اس گمبھیر چیلنج کے بارے میں اصل سوالات سے بچنے اور اسے اپنے سامراجی مقاصد و مفادات کے لیے استعمال کیا ہے؟ اس نے اس قیادت کی صلاحیت

ہی نہیں اس کی نیت اور عزائم کے بارے میں بڑے قوی شکوک و شبہات کو جنم دیا ہے۔ سارا ملبہ ایک شخص --- اسامہ بن لادن پر' یا زیادہ سے زیادہ اس کے چند سو یا چند ہزار ساتھیوں (القاعدہ) پر ڈالا جا رہا ہے اور پوری دنیا میں دہشت گردی کا ایک نیا بازار گرم کیا جا رہا ہے حالانکہ ننگی طاقت کے ذریعے اس قسم کے معاملات و مسائل کو کبھی بھی حل نہیں کیا جا سکتا۔

آج تک کوئی سنجیدہ اور تسلی بخش کوشش اس امر کی نہیں ہوئی کہ اصل واقعے کی مناسب تحقیق ہو' تمام حقائق کو بے لاگ انداز میں مرتب کیا جائے اور تجزیہ کر کے متعین کیا جائے کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ کس نے کیا؟ کس حد تک کون کون ذمہ دار ہے؟ ان واقعات کے پیچھے کارفرما اسباب و عوامل کیا ہیں اور ان کے ادراک' اصلاح' تدارک اور مستقبل کے لیے پیش بندی کے لیے کیا کچھ مطلوب ہے؟ غصہ اور انتقام' تحقیق' تجزیہ اور تدبیر کا متبادل نہیں ہو سکتے۔ چھوٹے سے چھوٹے واقعے کے لیے تحقیقی کمیشن بنائے جاتے ہیں اور اسباب کا کھوج لگایا جاتا ہے اور اصلاح احوال کی تدابیر مرتب کی جاتی ہیں لیکن اتنے بڑے واقعے کے بارے میں ایسی کوئی کوشش نہیں کی جاتی اور دلیل کے بجائے صرف دعوے کو پالیسی کی بنیاد بنایا جاتا ہے۔ خفیہ معلومات کے نظام کی ناکامی کو بادل ناخواستہ تسلیم کیا جاتا ہے مگر نہ کہیں ذمہ داری کا تعین ہوتا ہے نہ کسی کے خلاف اقدام ہوتا ہے۔ امریکہ کے اپنے سیکورٹی کے اداروں کا' جو ۱۳ اہم ایجنسیوں پر مشتمل ہے' جس پر سالانہ ۶۷ ارب ڈالر خرچ ہوتا ہے اور جن میں صرف ایک جو قومی اداروں کے تحفظ کے لیے کام کر رہی ہے' جس کا سالانہ بجٹ ۶.۷ بلین ڈالر ہے اور جس میں ۳۰ ہزار افراد کام کر رہے ہیں۔ اس میں سی آئی اے جس کا بجٹ ۳۰ بلین ڈالر سالانہ ہے اور جو ہے ہی باہر کے ممالک سے آنے والے خطرات کی سراغ رسانی کے لیے' ان میں سے کسی کا بھی کوئی احتساب نہیں ہوا۔ حالانکہ اب یہ معلومات بھی سامنے آچکی ہیں کہ اس پورے زمانے میں طالبان سے امریکہ کے مختلف اداروں کا اعلیٰ ترین سطح پر رابطہ تھا' اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات کا ایک ذخیرہ تھا جو مختلف ذرائع سے سی آئی اے ہی نہیں' خود وائٹ ہاؤس تک میں موجود تھا اور ۱۰ ستمبر تک ایسی معلومات میزوں پر موجود تھیں جن سے بہت کچھ سراغ مل سکتے ہیں' بشرطیکہ یہ سب کچھ اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کا کیا دھرا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر امریکہ کے اہم ترین ادارے اپنا فرض ادا نہیں کر سکے تو ان کے خلاف کیا کارروائی ہوئی اور ذمہ داری کے تعین کے لیے کیا کچھ کیا گیا؟ کیا یہ سب پردہ داری اس لیے ہے کہ اسامہ بن لادن اور القاعدہ ایک ڈھال (smoke screen) کی حیثیت رکھتے ہیں اور تحقیقات اور احتساب سے اغماض ایک نوعیت کا cover-up ہیں؟ انتظامیہ نے اس موضوع پر خود کانگریس کی کارروائی (congressional hearing) کو ناپسند کیا' اس کو رکوانے کی کوشش کی'

اور جب رکوا نہ سکی اور خفیہ ایجنسیوں کی معلومات کے بارے میں کارروائی شروع ہوئی تو پہلے معلومات دینے کی مزاحمت کی' پھر جو معلومات دی وہ ادھوری تھی' اور اس سے بھی بڑھ کر خود سینیٹ کی کمیٹی کی کارروائی کی خفیہ ریکارڈنگ کی جس پر کمیٹی نے توہین کی کارروائی کی دھمکی تک دی۔ کسی خفیہ ایجنسی کے سربراہ کا کوئی مواخذہ نہیں ہوا بلکہ انٹیلی جنس کے مجموعی بجٹ میں ۲۰ ارب ڈالر کا اضافہ کر دیا گیا اور نئی سیکورٹی ایجنسی قائم کی جارہی ہے جو ملک میں روسی طرز کا نگرانی کا نظام بنانے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس پس منظر میں ہو رہا ہے کہ حکومت کی کارکردگی پر تنقید کو حب الوطنی کے خلاف قرار دیا جارہا ہے (یہ بات شاید تعجب خیز ہے کہ چند ہی لوگ افغان مہم پر تنقید کر رہے ہیں۔ تنقید کو حب الوطنی کے خلاف سمجھا جا رہا ہے۔ نیوز ویک' ۱۹ اگست ۲۰۰۲ء' ص ۱۲)۔ بنیادی سوالات اٹھانے والوں کا منہ بند کیا جارہا ہے' پروپیگنڈے کے ذریعے ایک جذباتی فضا بنادی گئی ہے اور آزاد تحقیق اور حقائق کی تلاش کی کوششوں کو شدت اور قوت سے دبایا جا رہا ہے۔ آزاد تحقیق کرنے والے آج بھی اسامہ بن لادن اور اس کے ساتھیوں کی صلاحیت کار کے بارے میں شکوک کا اظہار کر رہے ہیں۔

فرانس سے شائع ہونے والی دو کتابوں نے بڑے بنیادی سوال اٹھائے ہیں اور علمی اور سیاسی حلقوں میں ان کتابوں میں پیش کردہ حقائق سے ایک تہلکہ سا مچا ہوا ہے مگر امریکی میڈیا اور حکومت ان تمام چیزوں کو نظرانداز کر رہے ہیں۔ فرانسیسی مصنف تھیری میساں (Thierry Meyssan) کی دو کتابوں کا بڑا چرچا ہے۔ ایک L'Effroyable Imposture (The Horrible Hie) جس میں اس نے پینٹاگون پر جہاز کے حملے کا انکار کیا ہے اور بلڈنگ کے نقصان کا تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ کسی جہاز کے گرنے سے یہ واقع نہیں ہو سکتا بلکہ میزائل کے ذریعے ہوا ہے جس کا تانا بانا کسی القاعدہ سے نہیں جڑتا بلکہ کسی اور ہی گروہ یا ایجنسی کا کام ہے۔ اس مصنف کی دوسری کتاب Pentagate اسی ماہ آئی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ امریکہ نے ۱۱ ستمبر کی دہشت گردی کے حقائق اور اسباب سے توجہ ہٹا کر اسے اپنے معاشی اور اسٹرے ٹیجک مفادات کے لیے استعمال کیا ہے اور اصل شہادت کو سامنے نہیں لایا گیا یا تباہ کر دیا گیا ہے۔

فرانس کے دو دوسرے اہل قلم جین چارلس بریسورو (Jean-Charles Brisoro) اور گلیام ڈیسکوائر (Guillaum Dasquire) کی کتاب Forbidden Truth (ممنوعہ سچائی) پہلے فرانس سے اور اب امریکہ سے شائع ہوتے ہی' عالمی سطح پر ''سب سے زیادہ فروخت ہونے والی'' (best seller) بن گئی ہے۔ اور اس میں نہ صرف ۱۱ ستمبر کے واقعات کے پیچھے خفیہ قوتوں کی نشان دہی کی گئی ہے بلکہ پورے معاملے کو اس کے سیاسی تناظر میں رکھ کر دکھایا گیا ہے کہ امریکہ کے سیاسی اور معاشی کارفرما افراد اور ادارے کس طرح اپنے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق ایک گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے اور اب اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے

لیے دوسروں کو نشانہ ستم بنا رہے ہیں۔ اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ امریکہ کے کھلاڑیوں کی اپنی چالیں کس طرح خود ان کے خلاف پڑ گئیں۔ نیز سارے کھیل کے پیچھے اصل مقصد اور ہدف یہ رہا ہے کہ روس کے زوال کے بعد کسی طرح وسط ایشیا کے وسائل تک رسائی اور افغانستان کے ذریعے اس علاقے پر پورا کنٹرول حاصل کیا جائے۔ یہ مقصد اب امریکہ اور افغانستان کے معصوم انسانوں کی لاشوں پر حاصل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

کتاب کے انگریزی ایڈیشن کا تعارف The Secret History of CIA کے مصنف جوزف ٹرنٹو نے لکھا ہے اور صاف کہا ہے کہ امریکہ کی قیادت اس پورے معاملے کی سنجیدہ تحقیق گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا اپنا دامن پاک نہیں اور اس میں بہت سے ''پردہ نشینوں'' کے نام آتے ہیں:

> ایف بی آئی اور سی آئی اے نے ایک دوسرے کو الزام دینے کی کوشش کی۔ ۱۱ ستمبر کے حملوں کے اگلے ہی دن نائب صدر ڈک چینی نے سینیٹ کے اکثریتی لیڈر ٹام ڈیشلے سے بات کر کے یہ کوشش کی کہ وہ خفیہ معلومات کی ناکامی کو کوئی مسئلہ نہ بنائیں۔ کوئی سنجیدہ تفتیش اس لیے نہیں ہو سکتی کہ کوئی بھی سیریس تفتیش بالآخر یہ ظاہر کر دیتی کہ سعودی عرب یا امریکہ کی حفاظت سے زیادہ اہم رقم اور تیل ہیں۔ ایک سنجیدہ تفتیش ظاہر کر دے گی کہ شرق اوسط اور رقم اب بھی بش خاندان کے لوگوں کی پشتیبانی اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ (Forbidden Truth' ص ۱۲)

مذکورہ کتابوں کے مندرجات ہمارا اصل موضوع نہیں۔ ہم اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتے کہ خود ان میں کہاں تک حقائق کی پردہ کشائی ہے اور کہاں افسانوی داستانیں شامل کر دی گئی ہیں۔ ہماری دل چسپی اس امر سے ہے کہ امریکہ کی قیادت نے تحقیق اور احتساب کے راستے سے کیوں اجتناب کیا اور مسلسل کر رہی ہے۔ ساری توجہ نہ اصل حقائق پر ہے اور نہ واقعے کے پیچھے پائے جانے والے اسباب اور محرکات سے--- بلکہ نت نئے انداز میں اپنی پسند کے ''بکروں'' (scape goats) کو نشانہ بنا کر امریکی قیادت ایک ایسے راستے پر چل پڑی ہے جس کے نتیجے میں امریکی دستور' اقوام متحدہ کے چارٹر' بین الاقوامی قانون اور قانون کی حکمرانی' قوموں اور ممالک کی حاکمیت (sovereignty) اور ان تمام اقدار اور اصولوں کو' جو برسوں نہیں صدیوں کی جدوجہد کا حاصل ہیں' پامال کیا جا رہا ہے اور دنیا کی اقوام پر امریکہ کی سیاسی اور معاشی بالادستی (hegemony) کو قائم کر کے ایک نئے عالمی سامراج کے دروبست تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ سستے اہداف کی تلاش ایک جاری عمل ہے۔ پہلے اسامہ بن لادن' پھر القاعدہ' پھر طالبان' پھر افغانستان' پھر ۳۰ ممالک میں القاعدہ کے حامی' پھر عراق' ایران' سوڈان' شمالی کوریا' اور اب خود سعودی عرب' دنیا بھر کی اسلامی اور خدمتی تنظیمیں' دینی مدارس اور ان سب کا تعاقب کرنے کے لیے نئے نئے اصول بنا کر سلامتی' حفاظتی اقدام اور خطرے کے

پہلے مقابل کو نشانہ بنانے' فوج کشی کرنے اور حکومتوں کو بدلنے کا اختیار گویا

ع سزا خطائے نظر سے پہلے' عتاب جرم سخن سے پہلے

یہی وہ سوالات ہیں جو سوچنے سمجھنے والے انسانوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ امریکہ کے ۶۰ دانش وروں نے' جن میں کئی نوبل انعام یافتہ اصحاب شامل ہیں' اپنے اضطراب کا اظہار کیا ہے جو لندن کے اخبار دی گارڈین نے جون ۲۰۰۲ء میں شائع کیا ہے۔ اس میں انھوں نے بڑی اقوام کی' دوسرے ملکوں میں موہوم خدشات کی بنیاد پر' فوجی مداخلت کی مذمت کی ہے۔ انسانی حقوق کی پامالی پر تشویش کا اظہار کیا ہے' بلامقدمہ لوگوں کی گرفتاری اور ان کو اپنے دفاع کے حقوق سے محروم کرنے پر اضطراب ظاہر کیا ہے۔ بش انتظامیہ نے دنیا پر جو جنگ مسلط کی ہے اسے "غیر منصفانہ' غیر اخلاقی اور ناجائز" قرار دیا ہے اور دنیا کے لوگوں کو اس کے خلاف جدوجہد کی دعوت دی ہے اور اس جدوجہد میں اپنی شرکت کا عندیہ دیا ہے۔ اس بات پر بھی گرفت کی ہے کہ ۱۱ ستمبر اور اس کے بعد کے پورے معاملے کو بڑی سادگی سے "محض اچھائی اور برائی کی جنگ" بنا کر پیش کیا گیا ہے' اور پھر میڈیا نے حکومت کا آلہ کار بن کر یہی ڈھول پیٹنا شروع کر دیا ہے۔ یہ پوچھنا کہ آخر یہ خوف ناک واقعات کیوں رونما ہوئے' غداری کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس پر کوئی گفتگو نہیں ہونی چاہیے۔ جو کچھ امریکہ نے کیا ہے اور کر رہا ہے اس کی سیاسی اور اخلاقی حیثیت پر کوئی سوالات نہیں اٹھائے گئے جب کہ ہر بات کا عملی جواب بس یہ اختیار کر لیا گیا ہے کہ "گھر کے باہر جنگ اور گھر کے اندر جبر و ظلم کے حربے"۔

حال ہی میں جرمنی کے ۸۰ دانش وروں نے امریکہ کی مسلسل تنبیہات اور یورپی اقوام پر دباؤ سے تنگ آ کر ایک اعلانیہ جاری کیا ہے جس میں صاف الفاظ میں کہا ہے کہ امریکی قیادت جس چیز کو "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کہہ رہی ہے وہ ایک "صریح ظلم اور اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے ناقابل معافی جرم ہے"۔ جرمن دانش وروں نے امریکہ کے اس موقف کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جو وہ افغانستان میں اور دنیا کے دوسرے مقامات پر "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام پر کر رہا ہے۔ ان کا اعلان ہے کہ اسے "مبنی برحق جنگ" (just war) نہیں کہا جا سکتا ہے۔ امریکہ کو یہ حق نہیں کہ وہ انسانی اقدار کی من مانی تاویل کرے اور اپنے کو ان کا اجارہ دار بنا ڈالے (monopolisation of universal values)۔ جرمن دانش وروں نے کہا ہے کہ:

> کوئی ایسی اقدار عالمی سطح پر تسلیم شدہ نہیں ہیں جو ہمارے ملک میں قتلِ عام (۱۱ ستمبر کے دہشت گرد حملے) کو (افغانستان میں) دوسرے قتلِ عام کا جواز مہیا کریں (دی نیشن' ۱۰ اگست ۲۰۰۲ء)۔

برطانیہ کے نومنتخب آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر ویلز نے برطانیہ اور دنیا کو متنبہ کیا ہے کہ عراق پر

امریکہ کی فوج کشی کا کوئی جواز نہیں۔ اس کے الفاظ میں ''عراقی حکومت خواہ کتنی ہی ظالم کیوں نہ ہو' برطانیہ عراق کے خلاف امریکی ممکنہ حملے کی ہرگز تائید نہ کرے۔ یہ حقیقت نہایت افسوس ناک ہے کہ دنیا کی مضبوط ترین طاقت جنگ اور جنگ کی دھمکی کو خارجہ پالیسی کا ہتھیار بنا کر استعمال کر رہی ہے۔ یہ نہ صرف اقوام متحدہ کے اصولوں کے منافی ہے بلکہ عیسائیت کے مسلمہ پیغام کے بھی برعکس ہے۔ امن حاصل کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ناانصافی کا خاتمہ کیا جائے اور انسانوں کو نظرانداز کرنے کی سیاست کے انجام سے بچا جائے''۔(دی انڈی پنڈنٹ 'لندن' ۲۴ جولائی ۲۰۰۲ء' بحوالہ نوائے وقت' ۷ اگست ۲۰۰۲ء)

یورپ کے بیش تر ممالک' چین' روس اور فطری طور پر تمام عرب اور مسلمان ممالک امریکہ کے اس منصوبے پر اپنی تشویش کا اظہار کر رہے ہیں لیکن امریکی قیادت نت نئے اصول بنا کر دنیا پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ سب ۱۱ ستمبر کی چھتری تلے کرنے کی کوشش ہے۔

اسامہ بن لادن' القاعدہ اور طالبان کے خلاف جو ظالمانہ اور برخود غلط کارروائیاں امریکہ نے کی ہیں' ان میں پاکستان کی حکومت نے اس کا ساتھ دے کر' خواہ جبرواکراہ ہی کی وجہ سے ہوا' جو ظلم اپنے اور اپنی قوم پر کیا ہے' وہ ناقابل معافی ہے۔ مگر جنرل مشرف نے بھی اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں جو نیویارک کے نمایندے کو دیا گیا ہے اس شبہے کا اظہار کیا ہے کہ کیا فی الواقع ۱۱ ستمبر کے حملے کا بلاواسطہ تعلق اسامہ بن لادن سے تھا؟ مشرف نے کہا:

> ہوسکتا ہے کہ اسامہ حملے کی منصوبہ بندی اور اس کے لیے مالیات فراہم کرنے میں شریک رہا ہو۔ شاید اسامہ اس میں براہِ راست ملوث نہ ہو (ڈان' ۹ اگست ۲۰۰۲ء)۔

اس پر امریکی وزیر دفاع رمزفیلڈ برافروختہ ہوگئے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا الزام ایک دعویٰ ہے جس کے لیے دلیل یا شہادت آج تک فراہم نہیں کی گئی اور اس کے فراہم کرنے کی ضرورت سے بھی انکار اور اغماض برتا جا رہا ہے۔ اور یہی وہ سوال ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

عالمی سیاست کا نیا نقشہ

اصل واقعے کا ذمہ دار جو بھی ہو امریکہ کی قیادت نے جس طرح اس کو استعمال کیا ہے وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ امریکہ کی سیاسی قیادت اور اس کی فوجی اور معاشی انتظامیہ کسی ایسے ہی واقعے کی تاک میں تھی جس سے وہ امریکہ میں اپنی گرفت مضبوط کرلے' قوم کو حب الوطنی کے نام پر ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا کر دے' اور سرد جنگ کے بعد کے اس دور کو ایک نئی لام بندی کے لیے مسخر کر کے دنیا کو امریکی مفادات کے تابع لانے کی کوشش کرے۔ امریکہ کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایک دشمن کی

ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ روس کی کمر ٹوٹنے اور اشتراکیت کے منتشر ہو جانے کے بعد اسے ایک نئے دشمن کی ضرورت تھی۔ اسرائیلی لابی اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانے کے لیے فضا ہموار کر رہی تھی۔ علمی مباحث اور میڈیا کی جولانیاں اس کے لیے وقف تھیں لیکن بات بن نہیں رہی تھی۔ ۱۱ستمبر نے یک قلم وہ فضا بنا دی اور ساری توجہ اسلام، مسلمان، جہاد، دینی مدارس، شریعت، عرب سرمایہ، حتیٰ کہ مغرب کے ہم ساز و ہم راز عرب حکمران--- سب ہی ہدف بن گئے اور بین الاقوامی قانون اور روایات، جمہوری اصول و اقدار، تاریخی رشتے اور تعلقات سب غیر موثر ہو گئے۔

سیاست کا جو نیا نقشہ وجود میں آ رہا ہے، اس کے اہم خدوخال یہ ہیں:

۱- امریکہ دنیا کی واحد سوپر پاور ہے اور اسے حق ہے کہ اپنے مفاد کے لیے اپنی مرضی کے مطابق جو اقدام چاہے کرے۔ دوسرے مجبور ہیں کہ اس کا ساتھ دیں۔ اگر وہ بخوشی ساتھ دیں تو فہو المراد ورنہ انھیں مجبوراً ساتھ دینا ہوگا یا پھر ان کے علی الرغم امریکہ جو مناسب سمجھتا ہے وہ کرے گا۔ یہی رویہ امریکہ کے ''فطری حلیفوں'' اسرائیل اور بھارت کا ہے جو امریکہ کے اقدام کا سہارا لے کر اس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور اپنی من مانی کر رہے ہیں۔ یہ دونوں بالکل انھی خطوط پر کارروائیاں کر رہے ہیں اور اسی زبان میں اپنے جارحانہ اور ظالمانہ اقدام کا جواز پیش کر رہے ہیں۔

امریکہ کے اس متکبرانہ موقف کا صاف لفظوں میں اظہار صدر بش کی قومی سلامتی کی مشیر کونڈولیزا رائس نے اس طرح کیا ہے:

> بش انتظامیہ قومی مفادات کی مضبوط بنیاد سے آگے بڑھے گی نہ کہ ایک جھوٹی نام نہاد عالمی برادری کے مفاد کے تحت۔

اس کی وجہ نیویارک کے 'مرکز برائے دستوری حقوق' کے صدر مائیکل رٹیز کی نگاہ میں یہ ہے کہ:

> دنیا میں امریکہ کے خلاف کوئی زیادہ مزاحمت نہیں ہے۔ اس کے پاس بہت سزا دینے اور لالچ دینے کے لیے بہت گاجریں اور ڈنڈے ہیں۔ کچھ ممالک خفیہ اقدام چاہے کریں، لیکن امریکہ اس وقت اتنا طاقت ور ہے کہ ہمیں روکنے کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

امریکن یونی ورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر ایلن لچمین امریکی صدر کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور ہیں

> خارجہ امور میں وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے عملاً کر سکتا ہے۔ امریکہ کی طاقت اور اس کے صدر کے اقدامات کو روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

ان کا نتیجہ ہے کہ امریکہ ایک ہائپر (hyper) طاقت بن گیا ہے اور اپنے کو تمام اصول و ضوابط اور اقدار اور روایات سے بالا تصور کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو امریکہ اور اس کے صدر کو عالمی امن اور انسانی معاشرے میں انصاف اور آشتی کے لیے ایک خطرہ بنائے ڈال رہی ہے۔ امریکہ کے مشہور تھنک ٹینک Cato Institute کی جین ہیلی بھی پکار اٹھی ہے کہ:

> یہ بات کہ ایک آدمی تنہا اتنی بڑی جنگ شروع کرنے کا اختیار رکھے گا' دستور بنانے والوں کو اپنی قبروں میں بے چین کر دے گا۔

۱۱ستمبر کے نتیجے میں امریکہ اور اس کی قیادت نے جو روپ دھارا ہے' وہ امریکہ اور پوری دنیا کے لیے ایک خطرہ ہے اور یہ خطرہ محض ایک خیالی خطرہ نہیں' بلکہ اس نے عملاً پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

۲- امریکہ جس بین الاقوامی معاہدے اور میثاق سے نکلنا چاہتا ہے' یک طرفہ طور پر نکل رہا ہے اور جس کا راستہ روکنا چاہتا ہے اسے روکنے کی بے دریغ کوشش کر رہا ہے۔ ماحولیات کے بین الاقوامی معاہدہ کو یوٹو پر دستخط کرنے کے بعد اس سے منحرف ہو گیا ہے۔ بیلسٹک میزائل کے بین الاقوامی کنونشن (ICBM) سے بھی منحرف ہو گیا ہے اور روس کو مالی امداد کی رشوت دے کر اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۳- بین الاقوامی فوج داری عدالت (International Criminal Court) کے قیام کے لیے ۶ سال تک شریک مشاورت رہنے اور اپنے مفید مطلب دسیوں ترامیم کرانے کے بعد امریکہ نے اس عدالت کے قیام کو رکوانے کی سرتوڑ کوشش کی اور جب مطلوبہ ممالک نے معاہدے کی توثیق کر دی تو اسے غیر موثر بنانے کے لیے اقوام متحدہ میں اور اب اقوام متحدہ کے باہر دوطرفہ معاہدات کے ذریعے سرگرم ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسانیت کے خلاف جرائم کے ارتکاب پر امریکہ اور اس کی افواج پر گرفت نہ کی جاسکے۔ ایک طرف دعویٰ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں اور تمام اقوام مساوی درجہ رکھتی ہیں (اقوام متحدہ کا چارٹر' یونی ورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس اور خود امریکہ کا دستور ان اصولوں پر مبنی ہے) اور دوسری طرف امریکہ یہ چاہتا ہے کہ کسی دوسرے ملک میں کیے جانے والے انسانیت کے خلاف کسی جرم پر بھی کسی امریکی فوجی کا مواخذہ نہیں ہونا چاہیے۔ امریکہ ہر ملک پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ اگر امریکی افواج کو استثنا نہ دیا گیا تو ان ممالک کی فوجی اور معاشی امداد بند کر دی جائے گی۔ یہ عالمی سطح پر ایک قسم کی نسلی اور سیاسی تفریق (apartheid) کا نظام قائم کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

۴- امریکہ دنیا کو آزاد تجارت کا درس دیتا ہے لیکن خود ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ حال ہی میں یورپ اور باقی دنیا کی مخالفت کے باوجود اسٹیل کی درآمد پر ۳۰ فی صد ڈیوٹی لگائی

ہے، زرعی پیداوار کے لیے زرتلافی دے رہا ہے جس سے دنیا کے غریب ملکوں کی زراعت کی برآمدات متاثر ہو رہی ہیں اور اس طرح وہ تیسری دنیا کے ملکوں کے لیے معاشی امداد کے تمام اہداف سے روگردانی کر رہا ہے بلکہ اس سلسلے کی کوششوں کو عملاً سبوتاژ کرنے سے بھی گریز نہیں کر رہا۔

۵- خود امریکہ میں شخصی آزادیوں کی تحدید کی جا رہی ہے اور دستور کے خلاف ہزاروں انسانوں کو بلاثبوت، بلاوارنٹ گرفتار کیا گیا ہے، خصوصیت سے عربوں اور مسلمانوں کو--- بارہ سو کے قریب افراد ایک سال سے بلامقدمہ جیلوں میں محبوس ہیں، جب کہ متعدد افراد کی پوچھ گچھ کے دوران موت تک واقع ہو چکی ہے۔ ان لوگوں پر مقدمہ چلانا اور جرم کو ثابت کرنا تو کجا ان کے نام تک نہیں بتائے جا رہے ہیں اور اس سلسلے میں حقوق انسانی کے اداروں نے جو بھی کوششیں کی ہیں سب ناکام رہی ہیں حتیٰ کہ اب کچھ جج حضرات یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ حکومت کا یہ رویہ عدل و انصاف اور جمہوری نظام کے اصولوں کے منافی ہے اور اسے کم از کم ان کے نام ظاہر کرنے چاہییں (ملاحظہ ہو، ڈسٹرکٹ جج گلیڈیز کینلر کا ۲۶ اگست ۲۰۰۲ء کا فیصلہ جس میں حکومت سے کہا ہے کہ ۱۵ دن کے اندر ان لوگوں کے ناموں کا اعلان کیا جائے جو بلامقدمہ جیلوں میں محبوس ہیں۔ حالانکہ واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۱ء اور نیویارک ٹائمز نے اپنی ۱۰ نومبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں ادارتی نوٹ کے ذریعے ان معلومات کو عام کرنے کا مطالبہ کیا تھا)۔

۱۱ ستمبر کا سہارا لے کر امریکہ کی حکومت نے قرون وسطیٰ کے جابرانہ نظام کو آبادی کے ایک حصے پر مسلط کر دیا ہے۔ اس کا خاص نشانہ مسلمان، عرب اور پاکستان ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تین سو سے زیادہ پاکستانی اس آزمایش میں مبتلا ہیں۔

۶- جاسوسی کا ایک نظام ملک میں رائج کیا جا رہا ہے جس کے تحت ٹیلی فون ٹیپ کرنا، ڈاک بند کرنا، انٹرنیٹ تک رسائی اور پرائیویسی کی تمام حدود کو پامال کیا جا سکتا ہے۔ آبادی میں مخبروں کا ایک نظام جاری کرنے کا عندیہ بھی دیا گیا ہے جس پر پریس اور کانگرس کے ارکان چونک اٹھے ہیں۔

۱۱ ستمبر کو حکومت ایک قسم کی پولیس اسٹیٹ ملک پر مسلط کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہے جس پر لندن کے روزنامہ ڈیلی مرر نے امریکہ کے یوم آزادی (۴ جولائی ۲۰۰۲ء) پر اپنے پہلے صفحے پر جلی حروف میں لکھا ہے: "Mourn on the 4th July" (۴ جولائی کو سوگ)

اور اس میں نوحہ کیا ہے کہ:

"The US is now the world's leading rogue state".

اب امریکہ دنیا کی سب سے نمایاں غنڈا ریاست ہے۔

بین الاقوامی سطح پر پہلے افغانستان پر حملہ کیا گیا' نہ اسامہ پکڑا گیا اور نہ ملا عمر۔ لیکن امریکی فوج نے کم سے کم اندازے کے مطابق اپنے جنگی معرکوں میں طالبان اور القاعدہ کی ہلاکتوں کے علاوہ (جو ۱۰ ہزار سے زیادہ ہیں) خالص سول آبادیوں پر بم باری کے ذریعے نیو ہمپشائر یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر کے ڈیٹا بیس کے مطابق ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے جون ۲۰۰۲ء تک ۳۶۲۰ معصوم مردوں' عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نیز جو مظالم شمالی اتحاد کے جنگجوؤں نے طالبان اور القاعدہ کے نام پر افغانیوں پر کیے ہیں اور جو امریکی افواج کی آنکھوں کے سامنے ہوئے ہیں ان کی ذمہ داری سے بھی امریکہ کو بری نہیں کیا جاسکتا۔ افغانستان کے بعد عراق کو فوج کشی کا ہدف بنانے کے لیے فضا بنائی جارہی ہے اور افواج اور اسلحہ کو علاقے میں پہنچایا جارہا ہے' سان ڈیاگو اور قطر کے اڈوں کو تیار کیا جارہا ہے۔ خود عراق میں افغانستان کی طرح طفیلی قیادت ابھارنے کی سازشیں ہورہی ہیں۔ عراق کے بعد ایران اور پھر پاکستان' سوڈان اور شام فہرست میں ہیں۔ سعودی عرب کو بھی اب کھل کر ہدف بنایا جارہا ہے۔ وہاں کے حکمرانوں کو بلیک میل کیا جارہا ہے' اندرونی بغاوت کی سازشیں ہورہی ہیں۔ یہی کھیل سوڈان میں کھیلا جارہا ہے--- آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

امریکہ کی قیادت نے بین الاقوامی قانون اور روایات کو تار تار کر کے نئے اصول وضع کیے ہیں جن کے تحت جس ملک سے ناراض ہوں اس میں قیادت کی تبدیلی (regime change) کو اس نے اپنا حق بنا کر پیش کیا ہے۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے چارٹر کے خلاف پیش بندی (preemptive) کے طور پر مداخلت کی باتیں کی جارہی ہیں جس پر کسنجر جیسا ''شریک کار'' بھی چیخ اٹھا ہے:

> حکومت کی تبدیلی فوجی مداخلت کا مقصد بنانا ۱۶۴۸ء کے معاہدۂ West philes کے قائم کردہ عالمی نظام کے لیے چیلنج ہے۔ اس معاہدے نے دوسری ریاستوں کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول کو قائم کر دیا تھا۔ پیش بندی کے طور اقدام کرنے کا جواز جدید بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے جو طاقت کے استعمال کو صرف اپنے دفاع میں حقیقی اقدام نہ کہ امکانی دھمکیوں کے خلاف جائز قرار دیتا ہے (ہنری کسنجر' لاس اینجلس ٹائمز سنڈیکیٹ' ڈان' ۱۱ اگست ۲۰۰۲ء)۔

ہنری کسنجر نے یورپی اقوام' عرب ممالک اور چین کے تحفظات کا ذکر کیا ہے اور پھر پاکستان کے لیے یہ وارننگ بھی دی ہے کہ اس اصول کو مان لیا جائے تو بھارت کیا کچھ گل کھلا سکتا ہے:

> بہت دل چسپ لیکن بے حد خطرناک ردعمل بھارت کا ہوسکتا ہے جو پیش بندی کے طور پر اقدام کے اصول کا اطلاق پاکستان کے خلاف کرنے کے لیے کشش محسوس کرے گا۔

کسنجر نے متنبہ کیا ہے کہ امریکہ کو اس نام نہاد اصول کو پروان نہیں چڑھانا چاہیے اور بین الاقوامی قانون پاس کرنا چاہیے لیکن بظاہر اس ''گرو'' کی بات بھی صدا بصحرا ہی معلوم ہوتی ہے۔

امریکہ نے جنگ اور جنگی قیدیوں کے بارے میں بین الاقوامی قوتوں اور جنیوا کنونشن کی کھلی خلاف ورزی کی ہے اور بین الاقوامی اداروں اور یورپ اور تیسری دنیا کے اخبارات اور دانش وروں کی تنقید کے باوجود اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ افغانستان میں ہتھیار ڈالنے والوں کا کھلا قتل عام کیا گیا' لاشوں کا مثلہ کیا گیا' جنگ ختم ہونے کے بعد بھی سول آبادیوں بلکہ شادی کی محفلوں پر بم باری کی گئی اور اسے چھپانے (cover-up) اور شہادتیں مٹانے کا کام کیا گیا۔ پھر جنگی قیدیوں کو کیوبا کے فوجی بیس گنٹاناموبے لے جایا گیا تاکہ امریکی قانون ان پر لاگو نہ ہو سکے۔ ان قیدیوں کو جس طرح پابند سلاسل کیا گیا اور جو جو مظالم ان پر ہوئے' اس کے نتیجے میں کئی اموات واقع ہو چکی ہیں۔ یہ سب جنیوا کنونشن کے خلاف ہے۔ آٹھ ماہ کے بعد بھی ان پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا اور ساری تفتیش کا حاصل خود امریکی اخبارات کی اطلاع کے مطابق ان میں سے ایک بھی القاعدہ کا ذمہ دار فرد نہیں نکلا ہے۔ ان میں ۳۰ سے زیادہ پاکستانی بھی ہیں مگر ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ امریکہ اپنے کو ہر قانون سے بالا سمجھتا ہے۔

اس پورے عمل میں اگر کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو خود صدر جارج بش ہیں جن کا صدارتی انتخاب مشتبہ تھا مگر اب وہ اندھی تائید حاصل کر رہے ہیں اور سارے معاشی اسکینڈلوں پر پردہ ڈال کر سیاسی محاذ آرائی کے ذریعے اپنی صدارت چمکا رہے ہیں۔ پھر اس کا بڑا فائدہ فوج اور اسلحہ سازی کی صنعت کو ہو رہا ہے جس کا بجٹ ۴۰۰ بلین ڈالر تک بڑھا دیا گیا ہے۔ نیوز ویک کے تازہ ترین جائزے کے مطابق امریکہ جو دنیا کا سب سے بڑا اسلحہ کا تاجر ہے' اس کی اسلحہ کی تجارت ۲۰۰۰ء سے نیچے جا رہی تھی۔ اب اس کی صنعت کو حکومت کی طرف سے نئے آرڈر مل رہے ہیں۔ انرجی کی صنعت بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو دنیا کی اس سب سے بڑی اور طاقت ور ''جمہوریت'' کی پشت پر کارفرما اصل عناصر ہیں۔ صدر آئزن ہاور نے اپنی صدارت کے خاتمے پر آخری خطاب میں امریکی قوم کو جس قوت کے بارے میں متنبہ کیا تھا وہی اس پورے عمل میں سب سے زیادہ فائدے میں رہی ہے اور مضبوط تر ہو رہی ہے بلکہ اس وقت تو ملک کے اندرونی معاملات میں قومی سلامتی کے نام پر فوج کے کردار کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں جن پر کانگرس اور لبرل حلقے سخت تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔

آئزن ہاور کے الفاظ ۱۱ ستمبر کے بعد رونما ہونے والے تناظر میں غیر معمولی اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ ۱۷ جنوری ۱۹۶۱ء کے اس خطاب میں آئزن ہاور نے کہا تھا:

ایک بہت بڑی فوجی انتظامیہ اور اسلحے کی ایک بہت بھاری صنعت کا یک جا ہونا امریکی تجربہ ہے۔ اس کا مجموعی اثر --- معاشی، سیاسی حتیٰ کہ روحانی --- ہر شہر ہر ریاست اور وفاقی حکومت کے ہر دفتر میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ ہم کو حکومت کے مشاورتی اداروں میں بلا روک رسوخ کے حصول کے خلاف چوکنا رہنا چاہیے، خواہ یہ فوجی اور صنعتی کمپلیکس اس کو طلب کرے یا اس کو طلب نہ کرے۔ بے محل اختیارات میں خطرناک اضافے کا امکان موجود ہے اور موجود رہے گا۔ فوجی صنعتی کمپلیکس کو ہرگز یہ اجازت نہ ہونا چاہیے کہ وہ ہماری آزادیوں اور جمہوری عمل کو خطرے میں ڈالے۔ ہمیں اس لحاظ سے مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ (Eisenhower: Soldier & President، اسٹیفن ایمرون، سائمن اینڈ شسٹر، نیویارک، ص ۵۳۶-۵۳۷)

۱۱ ستمبر اور اس کے بعد کی امریکی پالیسی پر اسی فوجی، صنعتی گٹھ جوڑ کی چھاپ دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ جن بوتل سے باہر آ گیا ہے اور خود امریکی زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کر رہا ہے۔ وہ جمہوری عمل، وہ آزادیاں، وہ تہذیبی اقدار جن کو صدیوں کا حاصل قرار دیا جا رہا ہے، آج معرض خطر میں ہیں۔ عالمی سطح پر بھی، اور خود امریکہ میں بھی۔ عام شہری ایک شدید تناؤ میں زندگی گزار رہا ہے۔

۱۱ ستمبر کے بعد امریکی شہریوں کی نفسیات اور ذہنی کیفیات پر جو اثرات مترتب ہوئے ہیں ان پر جو بھی تحقیقی کام ہوا ہے، وہ بہت نظر کشا ہے۔ ولیم شیلنگر نے ۲ ہزار ۲ سو ۷۳ امریکیوں کے سروے کی بنیاد پر اپنی تحقیق کے نتائج امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کے جرنل کے تازہ شمارے میں شائع کیے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت حال سے پوری آبادی پر ذہنی دباؤ، بے یقینی، خوف اور انتشار فکری کی کیفیت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے لیے اس نے PTSD کی اصطلاح وضع کی ہے، یعنی Post-Traumatic Stress Disorder۔ ہر قسم کے ٹراما کے مقابلے میں جس میں جبری آبروریزی سے لے کر طوفان، زلزلہ حتیٰ کہ اوکلاہوما کی دہشت گردی سمیت تمام حادثات اور سانحات شامل ہیں، ۱۱ ستمبر کے واقعے کے اثرات کہیں زیادہ ہیں۔ ملک کی ذہنی صحت کا جو نقشہ (profile) اس جائزے سے سامنے آتا ہے ۱۱ ستمبر کے واقعے کے ایک سے دو ماہ بعد تک PTSD کی سطح میں پوری امریکی قوم کے لیے اوسطاً ۴ فی صد اور نیویارک کی آبادی کے لیے ۱۱ فی صد اضافہ ہوا اور اس کے اثرات وقتی نہیں بلکہ تاحیات رہنے کا خطرہ ہے جس کے نتیجے میں بقول ولیم شیلنگر:

> عوام کی صحت کے لیے قابل لحاظ خطرہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ایک دوسرے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے جتنا زیادہ ٹی وی دیکھا ہے، اتنا ہی زیادہ وہ اس سے متاثر ہے۔ چار گھنٹے ٹی وی دیکھنے والوں کا اوسط اگر ۵.۷ فی صد تھا تو ۱۲ گھنٹے دیکھنے والوں کا اوسط

۱۸ فی صد تک بڑھ جاتا ہے۔ بات صرف ۱۱ ستمبر کے اثرات ہی کی نہیں اس کے بعد بھی خوف کا عفریت نت نئی شکلوں میں آبادی کو ہیجانی کیفیت میں مبتلا کرتا رہا ہے، خواہ انتھراکس کا خطرہ ہو یا دہشت گردی کی کسی نئی کارروائی کا۔ غرض پوری قوم ایک نئے ذہنی انتشار اور دباؤ کا شکار ہوگئی ہے اور ملکی قیادت ہے کہ اس نام نہاد جنگ کو کرہ ارض کے طول و عرض تک پھیلانے پر تلی ہوئی ہے اور کسی کو اس پر غور کرنے کی فکر نہیں کہ دہشت گردی اور اس کے اسباب کا سدباب نہ میڈیا وار سے ہوسکتا ہے اور نہ فوج کشی اور نامعلوم دشمن کی تلاش میں عام انسانوں پر گولہ باری اور میزائل اندازی سے۔ خود اپنے ملک کی ابادی کو بھی بے یقینی اور خوف کے جہنم میں جھونکا جا رہا ہے اور دنیا کے دوسرے ممالک کے باسیوں کو بھی، اور اب تو کھلے بندوں یہ تیاری ہو رہی ہے کہ چھوٹے ایٹم بم (mini nukes) بنائے جائیں جو متعین اہداف کو نشانہ بنا سکیں اس کے لیے تیزی سے کام شروع ہوگیا ہے اور NPT اور CTBT سب کی گرفت سے آزاد ہو کر تباہی کے ان ہتھیاروں کو دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے لیے موثر ترین ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے فضا ہموار کی جارہی ہے۔ دوسروں کو بڑے پیمانے پر تباہی کے ہتھیاروں (WMD) سے محروم کرنے کے لیے فوج کشی کے منصوبے ہیں اور خود ایسی ہی تباہی کے ہتھیاروں کے انبار ہی نہیں لگا رہے، ان کو بے دریغ استعمال بھی کر رہے ہیں اور آیندہ استعمال کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور تیاریاں بھی کر رہے ہیں۔ اس ظلم اور دھاندلی پر بھی اگر دنیا آپ کو نفرت کا نشانہ نہ بنائے تو کیا کرے؟ بڑی معصومیت سے پوچھا جاتا ہے کہ ''لوگ ہمارے خلاف کیوں ہو رہے ہیں؟'' اور ''دنیا امریکہ سے نفرت کیوں کر رہی ہے؟'' اور ایک لمحہ بھی اس سوال پر کوئی غور کرنے کو تیار نہیں کہ معصوم انسان اور عام لوگ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر احتجاج اور انتقام کے لیے کیوں اُٹھ رہے ہیں اور خطرات انگیز کر رہے ہیں۔

''دہشت گردی'' کے اسباب

دہشت گردی اور اس کے خلاف جنگ دونوں انسانیت کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہیں اور ۱۱ ستمبر سے جو حقیقی سبق سیکھا جا سکتا تھا، اسے امریکی قیادت اور اس کی نکیل تھامنے والی صہیونی لابی نے امریکی قوم اور پوری دنیا کی آنکھوں سے اوجھل کرنے کی بڑی منظم اور عالم گیر جدوجہد کی ہے اور مغربی میڈیا نے اس سلسلے میں بڑا ہی کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ دہشت گردی ایک اخلاقی اور انسانی جرم ہے لیکن ہر جرم کی طرح اس کا مقابلہ جرم کے اسباب اور تائیدی عوامل کے تعین اور تجزیے کے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۱ ستمبر کے دل ہلا دینے والے واقعے نے بھی امریکی قیادت کی آنکھیں نہیں کھولیں اور اس نے حالات اور معروضی جائزہ اور حقیقت پسندانہ ردعمل کی جگہ جذباتی اور ہیجانی انداز میں اس انسانی تباہی کو بھی اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد اور مفادات کے حصول کے

لیے بے دردی سے استعمال کیا ہے۔ یہ ناکامی خود ۱۱ ستمبر کے حادثے کی تباہ کاری سے بھی بڑی تباہی کا باعث ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ مسئلے کی اصل نوعیت کو سمجھا جائے اور کم از کم ان تمام انسانوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے جو مفاد کے بندے نہیں اور جنھیں حق و انصاف اور انسانی فلاح و سلامتی عزیز ہے۔

تین چیزوں میں فرق ضروری ہے۔ ایک انسانی معاملات میں قوت (force) کا استعمال' دوسرے تشدد (violance) اور تیسرے دہشت گردی (terrorism)۔ قوت کا استعمال حق اور ناحق' صحیح اور غلط' حصول انصاف اور ظلم دونوں کے لیے ہوسکتا ہے۔ انسانی معاشرے میں امن و سلامتی کے قیام' عدل و انصاف کے حصول اور قانون کی بالادستی اور نظم و انضباط پر مبنی معاشرے کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سطح کی اتھارٹی کے لیے ڈسپلن اور ایک درجے میں قوت کا استعمال ضروری ہے۔ ریاست کی تعریف ہی coercive power سے کی جاتی ہے اور کسی بھی معاشرے کو انارکی سے پاک رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ ملکی نظام کے اندر سزا اور تعزیر اور بیرونی خطرات سے نمٹنے کے لیے جنگ و جہاد اسی نظام کا حصہ ہیں۔ بلاشبہہ قوت کو اعلیٰ اقدار و مقاصد' متفقہ قومی اہداف' اخلاقی اصولوں اور قانون کا پابند ہونا چاہیے اور نفاذِ قانون کے لیے قوت بطور ایک آلہ کار کے طور پر اس کا اصل جواز ہے۔ خیر اور حقوق کی حفاظت کے لیے قوت کا استعمال ایک نعمت ہے لعنت نہیں۔ یہ لعنت اس وقت بنتی ہے جب اس کا رشتہ اخلاق' اقدار اور قانون سے کٹ جائے۔ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

قوت کا استعمال' تشدد اس وقت بن جاتا ہے جب وہ دینی و اخلاقی اور قانون و ضوابط سے بے نیاز ہوکر ذاتی مقاصد اور مفادات کے لیے استعمال ہو۔ قتل و غارت گری' لوٹ مار' ظلم و زیادتی اس کا نتیجہ ہیں اور اس لیے تشدد جرم اور قابل مواخذہ ہے۔ دہشت گردی' قوت اور تشدد دونوں سے مختلف ہے۔ یہ محرومی اور بے بسی کے جواب میں سیاسی مقاصد کے لیے قوت کا ایسا استعمال ہے جس کا ہدف کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا نہ ہو بلکہ مقابل قوت کو متوجہ بلکہ خائف کرنے کے لیے کوئی ایسی چونکا دینے والی کارروائی کرنا ہے جو نقصان بھی

پہنچائے اور توجہ کو اس مقصد کی طرف مبذول کرانے کا ذریعہ بنے جس کے لیے تشدد کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ اسی لیے اسے طاقتور کے مقابلے میں کمزور کا ہتھیار کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو' ہن ٹنگٹن کی کتاب Clash of Civilizations)۔

بات اس کے جواز اور عدم جواز کی نہیں۔ مسئلے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دہشت گردی ایک برائی اور قابل مذمت اقدام ہے مگر دہشت گردی کا مقابلہ تشدد' جنگ اور ظلم و زیادتی میں اضافے سے نہیں ہوسکتا۔ یہ تاریخ کا واضح سبق ہے اور گذشتہ دو سو سال کی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے۔ سامراج کے مظالم' بیرونی قبضے اور سماجی' معاشی اور سیاسی حقوق کشی کے ردعمل میں رونما ہونے والی تحریکوں کو' خواہ وہ تشدد اور دہشت گردی کے حربوں کو استعمال کرنے پر ہی کیوں نہ اتر آتی ہوں' محض قوت کے استعمال سے ختم نہیں کیا جا سکا اور ساری جنگ آزمائی کے بعد بالآخر معاملات کی اسی وقت اصلاح ہوسکی اور تصادم اور کشت و خون کا خاتمہ ممکن ہوا جب اصل اسباب کو دُور کرنے کی کوشش ہوئی اور مسائل کا سیاسی حل تلاش کیا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ اس نوعیت کی جنگ ہے اور ہوسکتی ہے جیسے غربت کے خلاف جنگ' یا بیماری اور خوف کے خلاف جنگ!

دہشت گردی کا سدباب صرف اس وقت ممکن ہے جب ان اسباب کا سدباب کیا جائے جو دہشت گردی کو جنم دیتے ہیں۔ اصل سوال ہے ہی یہ کہ وہ کیا عوامل ہیں جو معصوم انسانوں کو اپنی جان تک دینے پر مجبور کرتے ہیں؟ برطانوی وزیراعظم کی اہلیہ شیری بلیر نے فلسطینی خودکش حملہ کرنے والوں کے بارے میں کہا تھا کہ جب تک ان اسباب و عوامل کی فکر نہ کی جائے جو نوجوانوں کو اپنے پرخچے اڑانے پر مجبور کرتے ہیں' مسئلہ حل نہیں ہوسکتا لیکن بش اور شیرون اس زعم میں مبتلا ہیں کہ محض قوت اور تشدد کے ذریعے وہ مجبور انسانوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے حق کے لیے لڑنے سے روک سکتے ہیں تو یہ خام خیالی ہی نہیں' جنگ و جدال اور مزید تشدد اور دہشت گردی کے فروغ کا تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔ برطانوی رکن پارلیمنٹ جان گالووے نے اس بات کو لندن کے دی گارڈین میں شائع ہونے والے اپنے مضمون میں یوں بیان کیا ہے:

> یہ ایک مسلسل جنگ اور عالمی ہل چل کی ترکیب (recipe) ہے۔ یہ دہشت گردی پھیلانے کی بھی ترکیب ہے۔ اور پوری مسلم دنیا اور اس کے باہر بھی بن لادن کے لیے اسلحہ خانے پیدا کرنے کی ترکیب (دی گارڈین' دی نیوز' ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء)

امریکہ کے دفاعی اطلاعات کے مرکز کے محقق مارک برگس نے امریکی صدر کے اعلان جنگ کے بارے میں درست ہی کہا ہے کہ:

بن لادن کے خلاف صدر کا صلیبی جنگ کا اعلان بن لادن کے تصورِ جہاں کے عین مطابق ہے اور میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔

رینڈ کرپوریشن کے اسکالر پارچینی کا یہ بیان حال ہی میں امریکی اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ:

اگر آپ دہشت گردی کی اس صورت حال کو دیکھیں تو آپ اسے ایک سادہ' یک رخا سیاسی فیصلے کی حیثیت سے نہیں دیکھتے۔ عوامل کا ایک مجموعہ اسے متحرک رکھتا ہے۔

فلپائن کے صدر کے ایک مشیر Jose T. Almonte نے انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹربیون کے جولائی ۲۰۰۲ء کے آخری ہفتے کے ایک شمارے میں بہت کام کی بات لکھی ہے:

دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے ناگزیر طور پر سفارتی' سیاسی' معاشی' مالیاتی اور ثقافتی اقدامات بشمول پولیس اور فوجی اقدام کے کرنا ہوں گے۔ ترقی پذیر دنیا کے بیش تر حصوں میں سیکولر ریاست اپنی سیاسی' آزادی' معاشی خوش حالی اور عدل و انصاف کے وعدوں کو پورا نہیں کرسکی ہے۔ (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹربیون' خلیج ٹائمز' ۳۰ جولائی ۲۰۰۲ء)

بات درست ہے لیکن آل مونٹے نے آدھی بات کہی ہے۔ سیکولرزم کی ناکامی اور سماجی انصاف سے محرومی کے ساتھ سیاسی ظلم اور غیر ملکی قبضے بھی ایک اہم سبب ہے۔ فلسطین' کشمیر' منفارانو' شیشان اور متعدد مقامات پر سیاسی غلامی اور استبداد اور دنیا کے مختلف علاقوں میں امریکی فوجی تسلط اور مداخلت بھی نفرت اور انتقام کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ صدر بش کی زبان سے بھی ۱۱ ستمبر اور دہشت گردی کے اسباب کے سلسلے میں یہ الفاظ نکل ہی گئے جو خود کسنجر نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں نقل کیے ہیں کہ:

یہ اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ان ممالک کی خاموش حمایت کا تعاون حاصل ہوتا جو جارج ڈبلیو بش کے الفاظ میں "دہشت گردی" کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس نفرت کو انگیز کرتے ہیں جو دہشت گردی کرتی ہے (لاس اینجلز ٹائمز' سنڈیکیٹ' ڈان' ۱۱۱گست ۲۰۰۲ء)۔

بش اور کسنجر یہاں تک تو آئے مگر اس پر غور نہ کیا کہ اس نفرت (hatred) کو پیدا کرنے والے عوامل کیا ہیں؟ کسنجر نے اعتراف کیا ہے کہ:

امریکی حکمت عملی کو ان ناراضیوں کی جائز وجوہات کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے

لیکن اس سانس میں پھر سارا زور اسی بات پر ہے کہ ان افراد اور حکومتوں کو سبق سکھاؤ جہاں یہ دہشت گرد پائے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفاد اور غیظ و غضب اور عناد نے آنکھوں پر بالکل پٹی باندھ دی ہے ورنہ یہاں تک آنے کے بعد دوسرا اور فطری سوال یہی تھا کہ ان اسباب کو دُور کرنے کی فکر کی جائے جو معصوم

انسانوں کو اس انتہا کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اصل سبب ظلم اور ناانصافی کا وہ نظام ہے جس میں فلسطین پر اسرائیل ناجائز طور پر قابض ہو کر وہاں ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے، کشمیر پر بھارت کا تسلط ہے اور وہ ریاستی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ شیشان پر روس کا فوجی کنٹرول اور مینڈاناؤ پر فلپائن کی حکومت کی فوج کشی ریاستی دہشت گردی ہے۔ گویا عالمی سطح پر امریکہ کے بالادستی کے منصوبے اور پوری عسکری، سیاسی، معاشی اور ثقافتی یلغار ہی وہ اصل سبب ہے جس نے مجبور انسانوں کو بغاوت اور پھر خود تشدد پر ابھارا ہے۔

اس بنیادی حقیقت کو نہ سمجھنا یا جانتے بوجھتے ہوئے اسے نظرانداز کرنا سارے فساد کی جڑ اور پوری دنیا کو شدید بحران میں مبتلا رکھنے کا ذریعہ ہے۔ فلسطین ہو یا کشمیر، افغانستان ہو یا شیشان، باسک (اسپین) ہو یا مینڈاناؤ (فلپائن) مسئلہ ایک ہی ہے۔ عوام کے احساسات کا عدم ادراک، ناانصافیوں اور مظالم سے بے نیازی، نفرت اور بے چینی کے اسباب سے لاتعلقی اور محض علامات اور ظاہری عوامل کا خبط (obsession) جب کہ زمینی حقائق اور زیرزمین کام کرنے والے حقیقی محرکات و اسباب سے صرف نظر آج کی قیادتوں کا مسئلہ اور مرض ہے۔ افغانستان میں القاعدہ کے خلاف جنگ اور اس کے اثرات و نتائج اس کی ایک نمایاں مثال ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے ''مجرموں'' کو سزا دینے کے لیے اقدام کیا گیا اور اسامہ بن لادن ''زندہ یا مردہ'' کو ہدف بنایا گیا--- طالبان اس لیے گردن زدنی ٹھیرے کہ اسامہ افغانستان میں پناہ گزین تھا۔ آزادی کے نام پر افغانستان تباہ ہو گیا لیکن اس کی آزادی کا یہ حال ہے کہ امریکہ کے لائے ہوئے صدر کی حفاظت کے لیے بھی امریکی میرین درکار ہیں۔ افغان اپنے صدر کو بھی تحفظ فراہم نہیں کر سکتے۔ ملک ایک بار پھر اقتدار کے ٹکڑوں اور حلقوں میں بٹا ہوا ہے۔ ہر روز دو طرفہ کارروائیاں ہو رہی ہیں اور امن و سکون ناپید ہیں۔ تعمیرنو کا کہیں دور دور پتا نہیں اور امریکی کمانڈر کہہ رہے ہیں کہ ہمارا افغانستان میں قیام، کوریا کی طرح مستقل اور لامتناہی ہے۔ القاعدہ جن کو ساری برائیوں کا مرجع اور جامع قرار دیا جا رہا ہے وہ امریکہ کے کتنے ہی مبغوض کیوں نہ ہوں، افغان عوام کے آج بھی ہیرو ہیں۔ اگر امریکہ اور اس کے ہمراہی بشمول جنرل پرویز مشرف ان حقائق کو نہیں دیکھ سکتے تو اسے کورچشمی ہی کہا جا سکتا ہے۔

ع جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں القاعدہ کے خلاف کارروائیوں میں ۱۰ پاکستانی فوجی ہلاک ہوئے، اس کی جو روداد ٹائم کے ۲۹ جولائی کے شمارے میں شائع ہوئی ہے وہ چشم کشا ہے۔ عبدالرؤف نیازی جو پاکستانی فوج کے خفیہ ادارے کا افسر اور امریکی تلاش القاعدہ مہم کا رہبر تھا اس تصادم میں مارا گیا۔ مگر جب اس کی لاش اس کے گھر لائی گئی تو دیکھیے خود اس کا باپ، جس کا وہ لخت جگر تھا اور جسے اس نے نہ معلوم کن کن

تمناؤں کے ساتھ پالا اور دفاع وطن کے لیے پاکستانی افواج کے سپرد کیا تھا' کیا کہتا ہے:

نیازی کا اپنا باپ اپنے بیٹے کو مسلمانوں کا غدار سمجھتا ہے۔ اس نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: ''بش آئے اور میرے بیٹے کے لیے دعا کرے' میں نہیں کروں گا'' (ٹائم '۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء' ص ۱۵)۔

افغانستان میں القاعدہ کے شہدا کے بارے میں افغانستان کے عام مسلمانوں کا آج بھی کیا رویہ ہے اس کے بارے میں رابرٹ فسک کی تازہ ترین رپورٹ جو اس وقت افغانستان کا دورہ کر رہا ہے اور لندن کے اخبار انڈی پنڈنٹ میں اپنی روداد سفر شائع کر رہا ہے' پڑھنے کے لائق ہے۔ امریکہ کے ذریعے طالبان سے ''آزادی'' کے آٹھ مہینے کے بعد ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء کی صورت حال یہ ہے۔ یہ رابرٹ فسک شہداے القاعدہ کے ایک قبرستان کا منظر یوں بیان کرتا ہے:

ان کی ولیوں کی طرح عزت کی جاتی ہے۔ ڈھیروں مٹی کے نیچے القاعدہ کے شہدا آرام کر رہے ہیں۔ یہ عرب ہیں' پاکستانی ہیں' چیچن ہیں' قازق ہیں اور کشمیری ہیں۔ اگر آپ پروپیگنڈے پر یقین کریں تو یہ قندھار کے پشتونوں کی نفرت کا نشانہ ہیں۔ یہ سچ نہیں ہے۔ جس وقت امریکی اسپیشل فورس کے جواں اس سرحدی گرم شہر کی سڑکوں پر گشت کرتے ہیں' اس وقت قندھار کے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں ان مزاروں پر آتے ہیں۔ جمعہ کے دن میلوں سفر کر کے ہزاروں کی تعداد میں آتے ہیں۔ یہاں آنے والوں کے لیے قندھار کا قبرستان مذہبی کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی سبق بھی ہے۔ غیر ملکی حیران ہوتے ہیں کہ انھیں کس چیز کی کشش یہاں لا رہی ہے۔ شفا کی افواہیں اور روایات؟ یہ بات کہ انھوں نے غیر ملکیوں کا آخر دم تک مقابلہ کیا؟ ہتھیار ڈالنے پر جان دینے کو ترجیح دی؟ غیر افغانی شہدا افغانیوں کی طرح لڑے؟ اچھا ہی ہے کہ امریکی خصوصی افواج کے افراد یہاں نہیں آتے۔ وہ ایسے مناظر دیکھیں گے جو ان کو پریشان کریں گے اور پریشان کرنا چاہیے۔
(دی انڈی پنڈنٹ' دی نیشن' ۱۳ اگست ۲۰۰۲ء)

صرف امریکی فوجی ہی اس حقیقت کو دیکھنے سے نہیں گھبراتے ہیں' امریکی قیادت اور خود پاکستان کی قیادت بھی اس جرم میں برابر کی شریک ہے' لیکن کیا کبوتر کے آنکھیں بند کرنے سے حقائق بدل جاتے ہیں اور خطرات ٹل جاتے ہیں؟ فاعتبروا یااولی الابصار۔

ان زمینی حقیقتوں کے بیان اور مسئلے کے اصل اسباب وعوامل کی نشان دہی کے سلسلے میں رابرٹ فسک تنہا نہیں ہے۔ نیوزویک (۱۹ اگست ۲۰۰۲ء) میں بھی القاعدہ پر ایک مفصل مضمون شائع ہوا ہے۔ اس میں

بھی یہ اعتراف موجود ہے۔ اس بلد سرزمین پاکستان کی ہے مگر جان دینے والے وہی امریکہ کا دردسر بننے والے مجاہد ہیں۔ ایک معرکے میں ۱۰ مجاہد شہید ہوئے ہیں اور ۶ فوجی جوان مارے جاتے ہیں۔ مرنے والے فوجیوں کی خبر لینے والا تو کوئی نہیں تھا مگر شہدا کی قبریں چشم زدن میں مرجع خاص و عام بن گئیں۔ نیوزویک کی رپورٹ ہے:

> ۱۰ شہدا کے مزار ایک مقدس جگہ بن گئے ہیں۔ بینرز لگے ہوئے ہیں: القاعدہ زندہ باد، طالبان زندہ باد۔ یہ لوگ مقدس شہدا ہیں۔ ایک زائر نے نیوزویک کو بتایا: اس جگہ کی زیارت سے مجھے امریکہ دشمنی کے جذبات ملے ہیں۔ (نیوز ویک، ۱۹ اگست ۲۰۰۲ء، ص ۱۴)

زیرزمین لاوا پک رہا ہے۔ نفرتوں کے طوفان بادلوں کے سینوں میں منتظر ہیں۔ زمینی حقائق ناقابل انکار ہیں۔ اسباب و عوامل بے چینی، اضطراب، بغاوت اور انقلاب کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ان حقائق کو نظرانداز کر کے محض قوت کے زعم میں، گولہ بارود کے ذریعے انقلاب کی لہروں کو روکا نہیں جا سکتا۔ امریکی قیادت کے تصورات اور دعووں --- اور عوامی جذبات، احساسات، عزائم اور امنگوں کے درمیان ایک عظیم خلیج حائل ہے جو حقیقت پسندی پر مبنی حکمت عملی اور پالیسی کی راہ استوار ہونے میں اصل رکاوٹ ہے۔ دنیا کا کون سا مسئلہ ہے جس کا حل ممکن نہیں لیکن مسائل کے حل کے لیے بھی ضروری ہے کہ حقیقت پسندی سے اصل احوال و عوامل کا جائزہ لیا جائے اور حقیقی اسباب تک رسائی حاصل کر کے ان کے سدباب کی کوشش کی جائے۔ طاقت کے نشے میں حواس کا توازن منتشر ہے اور پروپیگنڈے کی دھول میں بصارت دھندلا گئی ہے۔ علامتوں اور مظاہر پر ساری توجہ ہے اور اسباب اور عوامل سے کلی صرف نظر کیا جا رہا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو خطرات کو بڑھا رہی ہے اور انسانیت کو آگ اور خون کی طرف دھکیل رہی ہے۔ افسوس ہے کہ امریکہ کی قیادت نے ۱۱ ستمبر کے چشم کشا واقعات سے کوئی سبق نہ سیکھا۔ حالانکہ ۱۱ ستمبر کا اصل پیغام صرف ایک ہی ہے: تشدد اور دہشت گردی کا خاتمہ تشدد اور دہشت گردی سے نہیں کیا جا سکتا۔ لوگوں کی بے چینی، نفرت اور بغاوت کے اسباب کی تفہیم اور حالات کی ایسی اصلاح ہی امن و سلامتی کے ضامن ہو سکتے ہیں جس کے نتیجے میں ظلم ختم ہو، لوگوں کو انصاف اور جائز حقوق میسر آئیں۔ آزادی اور عزت کے ساتھ وہ اپنے معاملات طے کر سکیں اور امیر اور غریب، قوی اور کمزور، بڑے اور چھوٹے، سب دوستی اور بھائی چارے کی فضا میں تعاون اور افہام و تفہیم کے ساتھ باوقار زندگی گزار سکیں۔

یاد رکھیے امن اور ظلم، سلامتی اور سامراج، آزادی اور چند کی بالادستی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ آزادی کی ضمانت اسی وقت ممکن ہے جب سب کے لیے آزادی ہو، اہل ثروت اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہیں

جب سب کو دو وقت کی روٹی میسر ہو۔ چین اور آشتی ممکن ہی اس حالت میں ہیں جب قانون سب کے لیے ایک ہو اور انصاف کی میزان میں کوئی کسی سے بڑا اور مختلف نہ ہو۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات نے امریکہ کی قیادت کو جس رخ پر ڈال دیا ہے اور پوری دنیا ان کی جن ستم کاریوں کی آماجگاہ بن گئی ہے' امن' سلامتی اور انصاف کا راستہ نہیں' وہ صرف اور صرف سب کی تباہی کا راستہ ہے۔ اس تباہی سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اب بھی آنکھیں کھول لی جائیں' حقائق کو کھلے ذہن سے تسلیم کیا جائے' سطحی ردعمل کی جگہ گہرائی میں جا کر حالات کا تجزیہ کیا جائے اور بگاڑ کے اسباب کا سدباب کیا جائے (فلسطین کی صورت حال کے بارے میں چنیٹ ریڈنگ نے ایک جملے میں ایک گمبھیر مسئلے کا تجزیہ اور حل بیان کر دیا ہے جو نوٹ کرنے کے لائق ہے اور تمام متنازعہ امور کے بارے میں ایک مثبت نقطۂ نظر کی نمایندگی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے: ''اگر اسرائیلی حکومت لوگوں کو ان کا حق دینے کے لیے تیار نہیں تو اسے خودکش بم حملوں کے رکنے کی توقع نہیں کرنی چاہیے''۔ نیوزویک ۱۲ اگست ۲۰۰۲ء)۔ انسانیت کے حقیقی بہی خواہ' بلالحاظ اس کے کہ ان کا تعلق کس مذہب' کس علاقے اور کس طبقے سے ہے' بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ خود اُمت مسلمہ اور پاکستان کی بڑی ذمہ داری ہے لیکن ان کا حال بھی اتنا ہی تشویش ناک ہے جتنا امریکہ کی قیادت کا --- افسوس' صد افسوس!

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

پھر بھی ہم مایوس نہیں' اس لیے کہ:

ایسی بھی کوئی شب ہے جس کی سحر نہ ہو

الحبیب ٹورز کے ساتھ



دیارِ حبیب کا سفر



حج

عمرہ اور زیارات

کفایت اور معیار ساتھ ساتھ

- مناسک حج وعمرہ کا مکمل اہتمام۔ تربیت کے لئے خصوصی ماحول
- حرمین شریفین کے نزدیک بہترین اور معیاری ایئر کنڈیشنڈ رہائش
- بہترین ایئر کنڈیشنڈ ٹرانسپورٹ اور منیٰ وعرفات میں خیمے
- زیارت مقامات مقدسہ کیلئے گائیڈ کا اہتمام

تحریکی ساتھیوں کے لئے خصوصی ماحول

فرضیت حج

ہر مسلمان مرد اور عورت پر حج فرض ہے' اگر وہ اس سفر کی استطاعت رکھتا ہو۔ اگر کوئی مسلمان صاحب نصاب ہو اور حج کئے بغیر اس دار فانی سے رخصت ہو جائے تو اس کے ورثاء پر واجب ہے کہ کسی متقی مومن کے ذریعے حج بدل کروا کر مرحوم کو اس فریضہ کے بوجھ سے آزاد کرائیں۔ متقی ارکان جماعت/ علمائے کرام کا اس خدمت کے لئے اہتمام موجود ہے۔

بکنگ

صرف -/25000 روپے میں کروائیں۔ پاسپورٹ' 8 عدد تصاویر 3x4 سم (نیلی بیک گراؤنڈ کے ساتھ) اور شناختی کارڈ کی کاپی درکار ہے۔

آخری تاریخ

لیٹ فیس کے بغیر 19 ستمبر 2002ء

لیٹ فیس کے ساتھ -/5000 روپے 20 دسمبر

قربانی

عازمین حج قربانی کے لئے رابطہ کریں۔ انتظام محدود ہے۔ پہلے آئیں پہلے پائیں کی بنیاد پر بکنگ جاری ہے۔

سرکاری ریٹ: 380 ریال

الحبیب کا ریٹ: 300 ریال

حج پیکج

بشمول تمام اخراجات سوائے طعام

بذریعہ سڑک	اسلام آباد/لاہور پشاور سے بذریعہ جہاز	کراچی سے بذریعہ جہاز	بذریعہ شام بمعہ زیارات	شام اور عراق کی زیارات کے ساتھ
75,000	85000/-	82,000	85000/-	105000/-

VIP خصوصی پیکج بھی موجود ھیں

عمرہ پیکج

بشمول تمام اخراجات سوائے طعام

	7 دن	15 دن	براستہ شام بمعہ زیارات
15 شعبان تک	31000/-	33000/-	40000/-
رمضان المبارک	38000/-	40000/-	450000/-

الحبیب ٹورز اینڈ ٹریولز انٹرنیشنل

12۔ العباس مارکیٹ آدم جی روڈ' راولپنڈی صدر موبائل: 0300-9557977

32۔ ہِل روڈ F-6/3 اسلام آباد فون: 227.5294, 287.3679 فیکس: 287.5889

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس گواہی ہو اور وہ گواہی کے لیے بلاوے کے وقت گواہی کو چھپا دے (نہ دے) تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے جھوٹی گواہی دی۔ (طبرانی)

ووٹ دینا بھی گواہی ہے۔ اہل لوگوں کو ووٹ دینا سچی گواہی دینا ہے' نااہلوں کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی ہے۔ ووٹ نہ دینا بھی جھوٹی گواہی کے حکم میں ہے۔ ایک ووٹر اپنی گواہی اور ووٹوں میں اضافہ بھی کرسکتا ہے۔ وہ جتنے لوگوں کو ووٹ کے صحیح استعمال کے لیے لائے گا اس کے کھاتے میں اتنے ہی لوگوں کے ووٹ کی نیکی لکھ دی جائے گی۔ ۱۰' ۲۰' ۱۰۰' ۱۰۰۰ جتنے لوگ اس کی آواز پر ووٹ دیں گے ان کے اجر میں وہ شریک ہوگا' بغیر اس کے کہ کسی ووٹر کے اجر میں کسی قسم کی کمی واقع ہو۔ ہے کوئی جو اس ثواب کے لیے آگے بڑھے' جدوجہد کرے' اور اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرے۔ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ (المطففین ۸۳:۲۶) ''جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہیں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں''۔

○

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے لیے دعا کی تو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور گھرانے کے دوسرے افراد کا ذکر کیا۔ حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں بھی آپؐ کے گھرانے میں شامل ہوں (یعنی مجھے بھی اس سعادت سے نوازا جائے کہ آپؐ کے گھرانے میں شامل ہو جاؤں)۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں' بشرطیکہ کسی بادشاہ کے دروازے پر کھڑے نہ ہو جاؤ اور کسی امیر کے پاس سائل بن کر نہ جاؤ۔ (طبرانی)

غور فرمایئے کہ آپؐ نے اہل بیت میں شامل کرنے کو کن باتوں سے مشروط کیا ہے۔ ہم کو اللہ کے رسولؐ سے محبت کے کتنے دعوے ہیں اور کون اہل بیت میں شامل ہونا اور اللہ کے رسولؐ کی دعا کا حق دار ہونا نہ چاہے گا لیکن اہل اقتدار

کے دروازوں کے آگے کھڑے رہنے اور اہل مال کے پاس سائل بن کر جانے سے بچنے والے کتنے ہیں۔

○

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ روزانہ جب لوگ صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے بھی آسمان سے اترتے ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما۔ اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے مال کو تلف فرما۔ (متفق علیہ)

جسے فرشتے دعائیں دیں، اس کی خوش قسمتی کا کیا کہنا اور جس کے لیے فرشتے بددعائیں کریں اس کی بدبختی کا کیا ٹھکانا! خرچ کرنے والا صرف خرچ نہیں کرتا بلکہ کمائی کرتا ہے اور نعم البدل پاتا ہے، اور بخل کرنے والا اپنی بچت نہیں کرتا بلکہ اپنے مال کو تباہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج (سبا ۳۴:۳۹) ''جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور دیتا ہے''۔

○

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو شخص پہلی صف کو اس نیت سے چھوڑتا ہے کہ لوگوں کو ایذا نہ دے، اللہ تعالیٰ اس کے اجر کو بڑھا دیتے ہیں اور اسے پہلی صف کا اجر عطا کرتے ہیں۔ (طبرانی)

اللہ کی بندگی میں آگے ہونے، پہلی صف میں کھڑا ہونے کی بڑی فضیلت ہے، لیکن دوسروں کو تکلیف پہنچا کر نہیں۔ اگر کہیں تیز رفتاری سے آگے بڑھنا دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث ہو، تو آدمی کو چاہیے کہ رفتار کم کر دے، آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے رک جائے، اللہ کے ہاں اس کا شمار اگلی صف میں ہو جائے گا، اسے پہلی صف کا ثواب ملے گا۔ عبادت اور عبادت گزار دوسروں کی ایذا کا نہیں بلکہ ان کی راحت کا سبب بنتے ہیں۔

○

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نماز میں بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ اس کی طرف متوجہ رہے۔ جب بندہ اپنے چہرے کو اِدھر اُدھر پھیر دیتا ہے تو وہ بھی اس سے رخ دوسری طرف پھیر لیتا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

رب العالمین کے ہاں حاضری اور اس سے ملاقات کتنی آسان ہے۔ ملاقات کا خواہش مند جس وقت چاہے ملاقات کر سکتا ہے۔ بندے اور رب کے درمیان کوئی واسطہ بھی نہیں کہ اس کے ذریعے ملاقات کی جائے۔ بندے اور رب کے درمیان کوئی بھی حائل نہیں ہے۔ یہ بندے کی اپنی چاہت کی بات ہے، اس کے اپنے ذوق وشوق اور جذبے پر منحصر ہے کہ وہ کس وقت کتنی دیر اور کیسی ملاقات چاہتا ہے۔ جیسی ملاقات چاہے گا ویسی ملاقات ہو جائے گی۔ توجہ ہٹائے گا تو رب بھی توجہ ہٹا لے گا۔

نماز رب تعالیٰ کی ملاقات اور اس سے مناجات ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ بندے کے سامنے ہوتا ہے اور بندے کی

طرف متوجہ ہوتا ہے۔ بادشاہوں سے ملاقات کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں، پھر بھی وہ چند لوگ ہی ہوتے ہیں جنھیں شرف باریابی ملتا ہے۔ لیکن اللہ رب العالمین کی ملاقات کتنی آسان ہے۔ پانچ وقت اس کی طرف سے اس کے لیے بلاوا آتا ہے اور اس کے علاوہ بھی کسی بھی لمحے ملاقات کی جاسکتی ہے۔

آیئے، رب سے ملاقات کے جذبے اور شوق کو بیدار کریں اور نماز میں ایسا رویہ اختیار نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے رخ پھیر لے۔ بلا استثنا ہر ایک کی ملاقات کے لیے راستہ کھلا ہے۔

○

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب آدمی گھر میں داخل ہو، داخل ہوتے وقت اور کھانے کے وقت اللہ کو یاد کرے تو شیطان اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لیے کھانے اور رات گزارنے کی جگہ نہیں ہے۔ اور جب کوئی آدمی گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اور کھانے پر اللہ کو یاد نہ کرے تو شیطان کہتا ہے: تجھے کھانے اور رات گزارنے کی جگہ مل گئی۔ (مسلم)

گھروں کی حفاظت اور کھانے میں برکت کی فکر کسے نہیں؟ کتنا آسان نسخہ ہے۔ اللہ کی یاد، گھر کی حفاظت اور برکت ہے۔ اللہ فرماتے ہیں: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ ۲:۱۵۲) ''تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا''۔ اللہ جب بندے کو یاد کرتا ہے تو پھر وہ شیطان کو اس کے قریب نہیں آنے دیتا۔ اسے اللہ کی طرف سے حفاظتی حصار میسر آجاتا ہے۔ شیطان، شیطانی کام، برائیاں اس گھر سے دُور، اس کا گھران سے دُور۔ اللہ کی یاد کا کتنا آسان نسخہ ہے کہ روزمرہ کی دعاؤں کو اپنا معمول بنالیا جائے۔

○

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس آدمی کا حال جو برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے پھر نیکیاں کرتا ہے، اس آدمی کی مانند ہے جس کے جسم پر تنگ زرہ نے اس کو دبا رکھا ہو۔ وہ ایک نیکی کرتا ہے تو اس سے اس کی زرہ کا ایک کڑا کھل جاتا ہے، پھر دوسری نیکی کرتا ہے تو اس سے دوسرا کڑا کھل جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر گر جاتی ہے اور وہ آزاد ہو جاتا ہے (مسند احمد بحوالہ جوامع العلوم والحکم)

گناہ انسان کے جسم و جان اور دل و دماغ کے لیے جکڑبندی، گھٹن اور پریشانی ہے۔ اگر کوئی شخص ذہنی دباؤ، جسمانی کھچاؤ اور پریشانی میں ہے، بے اطمینانی کا شکار ہے تو اس بیماری کا ایک سبب برائیوں کی زرہ کی جکڑبندی ہے۔ وہ اپنا جائزہ خود لے کر معلوم کرسکتا ہے کہ اس کی بیماری کا سبب کیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے اعمال کیسے ہیں۔ اگر وہ برائیوں میں مبتلا ہے تو، توبہ کرے، نیکیوں کی طرف رخ کرے، صحت مند ہونا شروع ہو جائے گا۔ وہ نیکیاں کرتا

جائے گا اور گناہوں کی جکڑبندی ختم ہوتی جائے گی۔ بلاشبہہ نیکیاں برائی کو دُور کرتی ہیں' اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ط (ھود ۱۱:۱۱۴)' اس حقیقت کو اس حدیث نے مثال کے ذریعے کھول کر بیان کر دیا ہے۔

○

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی اپنی گھروالی کو رات کے وقت بیدار کرے' پھر دونوں دو رکعت نماز پڑھ لیں تو وہ ذاکرین اور ذاکرات میں لکھ دیے جاتے ہیں۔ (جامع الاصول' حدیث نمبر ۴۱۷۷' بحوالہ ابوداؤد)

دو رکعت نماز پڑھنا کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔ میاں بیوی دونوں رات کو اُٹھ کر دو رکعت پڑھنے کو معمول بنالیں تو اس کی برکت سے ان کا شمار ذاکرین میں ہو جائے گا۔ انھیں ذکر کی عادت پڑ جائے گی۔ تھوڑی نیکی' زیادہ نیکی کا سبب بنتی ہے۔ دو رکعتوں کو حقیر نہ سمجھیں۔ آدمی اسے اپنا معمول بنالے تو وہ تھوڑی نہیں رہتی بلکہ زیادہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ نیکی آدمی کی گھٹی میں پڑ جاتی ہے' انسان ترقی کی منازل طے کرتا رہتا ہے' یہاں تک کہ بلندترین منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ ذاکرین اور ذاکرات میں شامل ہونا بندگی کی معراج ہے۔

دو رکعت نماز' ایک یا دو رکوع تلاوت و مطالعہ' ایک دو احادیث' دو تین مسائل میں تھوڑا وقت صرف کر کے مہینے میں کتنی عبادات اور کتنا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ محلے کے ایک دو آدمیوں سے ملاقاتیں' ان کو اللہ کی بندگی کی طرف متوجہ کرنا معمولی کام ہے لیکن سال کے ۳۶۵ دن کام ہو تو مضبوط جماعت بن سکتی ہے۔ دو تین سال میں پورا محلہ اور ساری آبادی دین کے رنگ میں رنگی جا سکتی ہے۔ اسی واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر العمل مادیم علیه وان قل "بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو"۔

○

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جب مردے کو چارپائی پر رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اُٹھا لیتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے آگے لے جاؤ' اور اگر بدکار ہوتا ہے تو اپنے رشتہ داروں سے کہتا ہے کہ ہائے میری ہلاکت مجھے کدھر لے جا رہے ہو۔ اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔ (بخاری)

آج موقع ہے' انسان اپنے آپ کو جس گروہ میں شامل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ کل جب اس کا جنازہ دوسروں کے کندھوں پر ہوگا اس وقت کی چیخ و پکار کام نہ دے گی۔ کل کی خوشی کا سامان آج کی نیکی اور نیک لوگوں کی صف میں شمولیت ہے۔ اس کے لیے مال و دولت' عہدہ و منصب' عیش و عشرت کی نہیں' اللہ کی فرماں برداری اور اس کی مرضیات کی تکمیل کی ضرورت ہے۔ آج جو اللہ کی مرضی پر چلے گا' کل اللہ تعالیٰ اسے راضی کر دے گا۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط (البینہ ۹۸:۸) "اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے"۔

مولانا مودودیؒ۔ زندگی کا ایک پُر آشوب دور

سید حامد عبدالرحمٰن الکاف ○

یوں تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۷۹-۱۹۰۳ء) کی زندگی کا غالب ترین حصہ خانہ بدوشی، مسلسل سفر، نقل مکانی، جیلوں کی کال کوٹھریوں، تقریر و تحریر، تصنیف و تالیف، جلسے اور جلوسوں میں گزرا ہے، لیکن ۱۹۳۷ء سے لے کر ۱۹۳۹ء کے ابتدائی چند مہینے تو بڑے صبر آزما اور ہنگامہ خیز رہے ہیں۔

میرے اندازے کے مطابق مولانا مرحوم کی زندگی کے اس پُر آشوب دور کا آغاز ۱۹۳۷ء کی ابتدا سے ہوا۔ اسی زمانے میں ان کی شادی کی بات چیت شروع ہو چکی تھی۔ مولانا کی شادی ۵ مارچ ۱۹۳۷ء (۲۱ ذوالحجہ ۱۳۵۵ھ) کو محترمہ محمودہ بیگم بنت سید نصیرالدین شمسی صاحبہ سے، دہلی میں ہوئی۔ مہر کی رقم مبلغ ۲ ہزار روپے تھی (تذکرہ سید مودودیؒ، ج ۳، ص ۳۰۲)۔ ابھی یہ نوشادی شدہ دولہا دلہن حیدر آباد دکن پہنچے ہی تھے کہ نئے نوشہ کو بحیثیت مدیر ترجمان القرآن ایک ایسے بحران سے دوچار ہونا پڑا جو درحقیقت آنے والے طوفان بلکہ طوفانوں کا پیش خیمہ تھا۔ اس بحران کے بارے میں وہ مئی ۱۹۳۷ء کے "اشارات" میں لکھتے ہیں:

> کئی مہینوں سے پرچہ مسلسل تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ خریداروں کی شکایات جس قدر بڑھتی جاتی ہیں میری شرمندگی بھی اسی قدر بڑھ رہی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ تاخیر کے جو اسباب ہیں ان کا علاج میرے اختیار میں نہیں، تاوقتیکہ رسالے کے ہمدرد اور قدر شناس میری اعانت نہ کریں۔ میں ان مشکلات کو رفع نہیں کر سکتا جن کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے...... اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ اگر اس پرچے کو زندہ رکھنا ہے اور فی الواقع اس کی زندگی کی کوئی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اس کے تمام ہمدردوں کو خاص طور پر توسیع اشاعت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آیندہ پانچ مہینوں میں اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونا ہے۔ اگر خریداروں کی تعداد میں کافی اضافہ نہ

○ صنعا، یمن۔

ہوا تو میں عرض کیے دیتا ہوں کہ محض ساڑھے تین سو خریداروں سے اس معیار کے پرچے کو چلانا میری قدرت سے باہر ہے۔(ترجمان القرآن، مئی ۱۹۳۷ء)

سوال یہ ہے کہ اس اپیل کا کیا اثر ہوا؟--- اگست، ستمبر ۱۹۳۷ء کے ''اشارات'' میں اس کا جواب ان الفاظ میں ملتا ہے:

رسالے کی توسیع اشاعت کے لیے ناظرین کو توجہ دلائی گئی تھی۔ اگرچہ اس سے اشاعت میں کوئی ایسا بڑا اضافہ نہیں ہوا جو رسالے کی مالی مشکلات کو حل کرنے کے لیے کافی ہو، صرف ۶۰، ۷۰ نئے خریدار مہیا ہوئے۔ پچھلے مہینے ایک صاحب خیر رئیس نے ۲۵ روپے عنایت فرمائے تھے کہ ان کی طرف سے غریب مسلمانوں کے نام مفت یا رعایتی قیمت پر رسالہ جاری کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک دارالمطالعہ کو مفت اور آٹھ اشخاص کو نصف قیمت پر ایک سال کے لیے رسالہ دیا گیا......[1]

(ترجمان القرآن، اگست، ستمبر ۱۹۳۷ء)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ستمبر ۱۹۳۷ء میں ترجمان کی تعداد اشاعت ۷۰+۱۰=۸۰+۳۵۰=۴۳۰ ہوگئی۔ ابھی وہ ایک قدم آگے بڑھنے نہیں پائے تھے کہ نومبر ۱۹۳۷ء کے ترجمان القرآن میں یہ افسوس ناک خبر شائع ہوتی ہے:

اطلاع

سررشتہ تعلیمات، سرکار آصفیہ کی جانب سے ہر سال ترجمان القرآن کے جو ڈھائی سو پرچے مدارس کے لیے خریدے جاتے تھے ان کو ماہ شوال ۱۳۵۶ھ [نومبر ۱۹۳۷ء] سے گھٹا کر ۱۱۸ کر دیا گیا ہے۔(ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۳۷ء)

گویا اب ترجمان کی تعداد اشاعت ۴۳۰-۱۳۲=۲۹۸ پرچے رہ گئی۔ یہ تعداد ان ۳۵۰ پرچوں سے ۵۲ پرچے کم ہے جس کا گلہ مولانا مودودیؒ نے مئی ۱۹۳۷ء کے ''اشارات'' میں کیا تھا کہ: پرچہ موت اور زندگی کے درمیان لٹک رہا ہے--- کہاں اپیل اور کوشش توسیع اشاعت کی ہو رہی تھی اور اب نوبت اشاعت کی کہاں تک آ پہنچی!! سبحان اللہ۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی، بلکہ اسی پرچے میں ''اطلاع ثانی'' کے تحت یہ اعلان بھی شائع ہوا: ''۱۱ ماہ ذی القعدہ ۱۳۵۶ھ میں رسالہ ترجمان القرآن کا دفتر حیدر آباد سے جمال پور ضلع گورداسپور (پنجاب) میں منتقل ہو جائے گا (ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۳۷ء)۔ ماہ شوال ۱۳۵۶ھ وہ مہینہ ہے جس میں تعداد اشاعت

۱- مضمون کے آخر میں دیکھیے، حاشیہ ۱

گھٹ کر صرف ۲۹۸ رہ جانے والی تھی اور جس کو لے کر علامہ اقبالؒ (۱۹۳۸ء-۱۸۷۷ء) کی دعوت پر مولانا مودودیؒ کو حیدرآباد دکن سے دارالاسلام، جمال پور، پٹھانکوٹ، منتقل ہونا تھا۔

کیا یہ ہمت شکن واقعات سید مودودیؒ کو مایوس کرنے والے تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں، وہ ان حالات میں بھی نہ صرف ترجمان کی ناؤ، ناگفتہ بہ حالات میں کھئے جا رہے تھے، بلکہ وہ ترجمان میں شائع شدہ مضامین کو چھاپنے اور پھیلانے کی جدوجہد میں بھی لگے ہوئے تھے--- چنانچہ اگست، ستمبر ۱۹۳۷ء کے ''اشارات'' میں نگارش فرماتے ہیں:

> ترجمان القرآن کے سابق مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیے برادرانِ اسلام سے اعانت کی جو درخواست کی گئی تھی، اس کے جواب میں اب تک چار سو روپے حالی اور پچاس روپے کلدار[۲] دفتر کو وصول ہوئے ہیں اور مزید پچاس روپے کلدار کا وعدہ ہے......
>
> اگرچہ یہ رقم[۳] اس کام کے لیے کافی نہیں جو ہم انجام دینا چاہتے ہیں، لیکن خدا کے فضل پر بھروسا کر کے کام کی ابتدا کر دی گئی ہے۔ مضامین کی ترتیب اور نظرثانی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ آیندہ ماہ رمضان سے اشاعت کا آغاز ہو جائے گا۔ (ترجمان القرآن، اگست، ستمبر ۱۹۳۷ء)

ختم شوال ہے، اور وہ ایک نامعلوم علاقے کی طرف اور غیر مانوس انسانوں کے درمیان جانے کے لیے سفر پر نکل جاتے ہیں، تاکہ ترجمان اور ترجمان میں پیش کردہ دعوت کو زندہ اور جاری و ساری رکھ سکیں۔ ساتھ ہی ایک مکتبے کے قیام کا بھی عزم ہے۔ وہ کیوں اور کیسے؟ اس کا جواب اوپر کی تحریر میں موجود ہے: خدا کے فضل پر بھروسا، یعنی وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (الطلاق ۶۵:۳) ''جو اللہ پر بھروسا کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے''۔ اس آیت سے پہلے یہ آیت گزر چکی ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (الطلاق ۶۵:۲-۳) ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو''۔ پھر چوتھی آیت کے آخر میں مزید وضاحت

۲- ''حالی'' سکہ ریاست حیدرآباد دکن کا سکہ تھا، جب کہ ''کلدار'' برطانوی ہند کا سکہ تھا۔ ''حالی'' سکے میں سولہ آنے ہوا کرتے تھے، جب کہ ''کلدار'' کے اٹھارہ آنے ہوتے تھے، یعنی حیدرآبادی سکے کی قیمت قدرے کم تھی۔

۳- یعنی جملہ ''حالی'' رقم پانچ سو بارہ اعشاریہ پانچ روپے (۵۱۲.۰۵) بنی، جس سے مکتبہ ترجمان القرآن کا آغاز ہوا۔ حالانکہ خود ترجمان القرآن، اب اور تب پر تھا۔ ایسی ہمت کو ہمتِ مرداں مددِ خدا کہتے ہیں۔

یوں فرمائی: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ○ (الطلاق ۶۵:۴) ''جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملے میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے''۔

دیکھیے ''توکل'' کی کرشمہ کاریاں کہ وہ کس طرح معاملات' مسائل' مشکلات کو آسان فرماتا ہے: فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○ (الحج ۷۸:۲۲) ''بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار''۔

ان مایوس کن حالات میں ایک غیر واضح ماحول کی طرف سفر کی تیاریاں کس طرح کی گئیں؟ ظاہر بات ہے کہ حیدر آباد میں معاملات کو سمیٹنے کے لیے' ٹکٹ اور راستے کے خرچ کے لیے اور پھر جمال پور پہنچ کر کچھ عرصہ کام چلانے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اور سخت ضرورت تھی۔ اس کا حل کیسے نکلا؟

اس قرض حسنہ کا انتظام جناب مولانا اعجاز الحق قدوسی مرحوم نے کیا تھا' اس لیے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ انھی کی زبان سے یہ داستان سنی جائے:

''۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی تحریک پر مستقل طور پر رختِ سفر بندھنے لگا اور مولانا [مودودیؒ] نے حیدر آباد کے قیام کو الوداع کہنے کا ارادہ کیا۔ سفر کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کتابیں بندھنے لگیں۔ ایک روز مولانا [مودودیؒ] نے مجھ سے کہا: ''میں سفر کے لیے تیار ہوں' مگر میرے پاس سفر خرچ کی کچھ کمی ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ بغیر روپے کے سفر کیوں کر ممکن ہوگا؟'' میں خاموش رہا' مگر دل میں ایک ہلچل مچ گئی۔ مغرب کی نماز میں نے مسجد مدرسۂ دینیات سرکار عالی میں ادا کی۔ اتفاق سے مسجد میں سرور خان صاحب مل گئے' جو مولانا [مودودیؒ] کی دینی بصیرت کے بہت قائل تھے اور مولانا کے مضامین سے بے حد متاثر تھے۔ گفتگو کا سلسلہ چلا تو میں نے دوران گفتگو ان سے کہا: ''مولانا [مودودیؒ]' علامہ اقبال کی دعوت پر پنجاب کے لیے عازم ہیں' مگر عجیب بات یہ ہے کہ سفر خرچ کی ان کے پاس کچھ کمی ہے۔ اندیشہ ہے کہ سفر خرچ ان کے پاس کم نہ ہو جائے''۔

''سرور خان صاحب اے کلاس کے بہت بڑے ٹھیکے دار تھے۔ ثروت کے ساتھ انھیں بھلائیوں میں اپنی دولت خرچ کرنے کا حوصلہ بھی تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگے: ''اتنے ان کے قدردان ہیں کیا ایک کا بھی حوصلہ نہیں کہ وہ ان کو قرض دے سکے''۔ میں نے کہا کہ: ''اول تو مولانا نے کسی سے قرض مانگا نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی خودداری کے خلاف ہے کہ وہ کسی سے قرض مانگیں۔ یہ بات تو میں نے برسبیل تذکرہ آپ سے کہہ دی ہے''۔ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ وہ رخصت ہوئے اور میں اپنے گھر چلا آیا۔

صبح کو وہ اپنی موٹر میں آئے اور کہنے لگے' چلیے میں مولانا کو قرض دیتا ہوں......

ہم دونوں گھر سے رخصت ہو کر لکڑی کے پل پر پہنچے۔ مولانا سے ملے۔ میں نے عرض کیا ''یہ آپ کو

قرض دینا چاہتے ہیں''۔ سرور خان صاحب نے کہا کہ ''مولانا' میری ایک شرط ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ اس معاملے کو لکھ دیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جتنی مدت بھی چاہیں' اس قرض کی ادائیگی کے لیے لیں' میری طرف سے آپ کو پورا اختیار ہے۔ لیکن جب ادائیگی کا وقت آئے تو آپ اسے بروقت ادا کر دیں''۔

مولانا نے یہ تحریر لکھ دی۔ آخر میں لکھا کہ میں یہ رقم ایک سال کی مدت میں ادا کروں گا۔ مولانا' عازم پنجاب ہوئے اور حیدر آباد دکن کی دینی اور انشائی رونقوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

معاہدے کی مدت پوری ہوگئی۔ سوا سال گزر گیا اور مولانا کا کوئی خط نہ آیا۔ سرور خان صاحب دبے دبے الفاظ میں کہنے لگے کہ ''علما کے وعدے کو آپ نے دیکھ لیا''۔ میں نے ہرچند ان سے کہا کہ ''ممکن ہے کہ مولانا آپ کا قرض ادا کرنے سے کسی وجہ سے معذور ہوں''۔ آخر جب ان کے طنز کے نشتر انتہا پر پہنچ گئے تو میں نے ایک خط مولانا کی خدمت میں پٹھان کوٹ لکھا' جس کا مفہوم یہ تھا کہ آپ نے سرور خان صاحب کا قرض ابھی تک ادا نہیں کیا' حالانکہ قرض کی ادائیگی کی موعودہ تاریخ گزرے تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے ہیں۔ علما کے مقدس طبقے کی بدنامی کو پیش نظر رکھ کر اگر ان کا قرض ادا فرما دیا جائے تو بڑی عنایت ہوگی۔

ایک ہفتہ کے بعد جناب نعیم صدیقی کے دستخط سے مولانا مودودیؒ کا گرامی نامہ موصول ہوا' جس کا مفہوم یہ تھا: میری مالی حالت اس لاغر گھوڑے کی طرح ہے جس پر آپ طعن وطنز کے لاکھ چابک برسائیں مگر وہ اپنی لاغری کی وجہ سے چل نہیں سکتا۔ میرے پاس پیسہ ہو تو میں ان کا قرض ادا کروں۔ مگر میری نیت بخیر ہے۔ میرے حالات جیسے ہی سازگار ہوں گے میں ان کا قرض ادا کر دوں گا۔ مطمئن رہیے اور سرور خان صاحب کو بھی اطمینان دلا دیجیے''۔[۴]

استاذ محترم جناب مولانا صدرالدین اصلاحیؒ (تذکرہ سید مودودیؒ ' ج ۳' ص ۸۴۶) جو ثانوی درس گاہ جماعت اسلامی ہند' رام پور میں میرے استاذِ تفسیر اور صدر مدرس تھے' ان کے بقول: مولانا مودودیؒ ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو سرور خان صاحب کے ایک ہزار کے قرض حسن سے جو بتوسط مولانا اعجاز الحق قدوسی ملا تھا' حیدر آباد دکن سے دارالاسلام' جمال پور' پٹھان کوٹ پہنچے۔ مولانا اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''یہاں آ کر مولانا مودودیؒ نے ان فکر انگیز مضامین کا سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچایا' جو ان کی مشہور تصنیف مسلمان اور موجودہ سیاسی کش مکش میں موجود ہیں۔ اس سلسلۂ مضامین میں' مولانا نے اس دعوت وتحریک کا ایک عملی خاکہ بھی پیش کیا' جس کے مطابق ان کے نزدیک برصغیر [جنوب مشرقی ایشیا] میں

۴- اگر قرض جنوری' فروری ۱۹۳۸ء میں لیا گیا' تو یہ بات ستمبر' اکتوبر ۱۹۳۹ء کی ہے۔ اُس وقت تک مولانا مودودیؒ شدید مالی بحران کا شکار تھے' جس کی شہادت نعیم صدیقی صاحب کے دستخط کا خط دیتا ہے۔

احیاے اسلام کا کام منظم طور پر کیا جانا چاہیے تھا۔ اسے پڑھ کر اطراف ملک کے بہت سے اصحاب نے مولانا کو تائیدی خطوط لکھے اور تجویز پیش کی کہ اللہ کا نام لے کر ان خطوط پر کام شروع کر دیا جانا چاہیے۔

اس تجویز یا مطالبے کے بعد مولانا نے ۱۹۳۸ء کے اواخر میں ایک دستور کا خاکہ مرتب کیا، جس میں پیش نظر تحریک کے مقصد، طریق کار اور اصول وضوابط کی تفصیل درج تھی۔ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں یہ مجوزہ اجتماع دارالاسلام میں مولانا مودودیؒ کی رہایش گاہ میں منعقد ہوا۔ حاضرین میں سے اکثریت مغربی ہند کے لوگوں کی تھی۔ یوپی سے شریک ہونے والوں میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب بھی تھے۔ باہمی غور و بحث کے بعد دستور اپنی آخری شکل میں منظور ہو گیا اور اسی وقت سے چودھری نیاز علی خاں صاحب کا اختلاف بھی شروع ہو گیا۔

اس اختلاف کا منبع منظور شدہ دستور کی وہ خاص دفعہ تھی جس میں تحریک کا نصب العین اسلامی حکومت کا قیام بتایا گیا تھا۔[۵] بہرحال اجتماع ہو گیا تو اسی دن (یا اگلے دن) بعد عصر [عبدالعزیز] شرقی صاحب کی رہایش گاہ کی بیٹھک میں وہ لوگ جمع ہوئے، جنھوں نے اس دستور کے مطابق تحریک کے قیام اور اس میں شریک ہونے کے لیے آمادگی ظاہر کی تھی۔ یہ کل پانچ آدمی تھے۔ سب سے پہلے مولانا مودودی نے تجدید شہادت کی۔ اس کے بعد باقی چار آدمیوں نے دوسرے لفظوں میں یہ کہہ کر تحریک کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ جس کے بعد چودھری [نیاز علی] صاحب کے اختلاف نے اپنا عملی اثر دکھانا شروع کر دیا۔ وہ اپنے مزاج کے مطابق نہایت نرم اور شائستہ انداز میں، مگر اصرار کے ساتھ مولانا [مودودیؒ] سے کہتے رہے کہ "دستور میں اسلامی حکومت کا لفظ نہیں رہنا چاہیے"...... مولانا نے اس کے جواب میں نہایت صفائی اور پوری سنجیدگی سے فرمایا کہ "اگر ہمیں یہاں اپنے طور پر کام کرنے کا موقع نہیں ملتا تو ہم اب کہیں اور جا کر یہ کام کریں گے"۔ چنانچہ انھوں نے لاہور منتقل ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

غرض [یہ کہ] منتقلی کا فیصلہ برقرار رہا، کتابیں رات گئے تک پیک کی گئیں، صبح کو ٹرک پر سامان لادا گیا اور ہم لوگ اس حال میں لاہور روانہ ہو گئے کہ بالکل نہیں معلوم تھا کہ اب پاؤں ٹکانے کی جگہ کب اور کہاں ملے گی؟ مزید لطف کی بات یہ کہ ادارے کے مالی حالات بھی مسلسل صبر آزما چل رہے تھے۔ سہ پہر کے وقت لاہور پہنچ کر ترجمان القرآن کے مینیجر سید محمد شاہ صاحب کے ذاتی مکان (واقع محلہ مصری شاہ) میں سامان اتار کر رکھ دیا گیا اور شام کو قیام گاہ اور دفتر کے لیے مکان کی تلاش شروع ہو گئی، جو کئی دنوں کی دوڑ دھوپ کے بعد کامیاب ہو سکی۔ یہ تھی دارالاسلام (پٹھانکوٹ) سے لاہور منتقل ہو جانے کی اصل وجہ، اور یہ تھا نقل مکانی کا اصل واقعہ"۔ (تذکرہ سید مودودیؒ، ج ۳، ص ۸۴۷-۸۴۸)

۵- اس مضمون کے آخر میں حاشیہ ۲ ملاحظہ فرمایئے۔

اس طرح مولانا مودودیؒ اور علامہ اقبالؒ کا دیکھا ہوا خواب چکنا چور ہو کر رہ گیا۔ معلوم ایسا پڑتا ہے کہ یہ اس مشیت الٰہی کا جز تھا جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مولانا کو صرف اپنی ذات پر بھروسا کرنے کا درس دیا تھا' یعنی ذاتِ الٰہی سبحان وتعالیٰ پر جیسا کہ مولانا نے علامہ اقبال کی وفات کی خبر سن کر کچھ اسی طرح کا تبصرہ کیا تھا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۱۲: ۲۱) ''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

یوں بھی مولانا اعجاز الحق قدوسی مرحوم کہہ چکے ہیں کہ مولانا مودودیؒ' اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا کیا کرتے تھے' مگر اس اسکیم میں چونکہ علامہ اقبال اور نیاز علی خان کا مشترکہ وعدۂ تعاون تھا' اس لیے شاید علامہ پر تکیہ کسی نہ کسی درجے میں کیا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اقامت میں کسی پر بھی --- حتیٰ کہ داعیوں کی ذات پر بھی --- بھروسے کو گوارا نہیں کرتا۔ یہ دعوتِ ربانی ہے۔ اسی لیے رب ہر شخص اور ہر شے سے یکسر بے نیاز ہے۔ اس حقیقت کو سارے داعیان الی الحق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ سید قطب شہیدؒ [م: اگست ۱۹۶۶ء] نے واقعۂ اُحد کے سلسلے میں اس پر خوب بحث کی ہے۔ اس کو بار بار پڑھنے اور ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے باوجود اس حقیقت کا یہاں بیان کیا جانا ضروری ہے کہ مولانا نے شادی سے پہلے محترمہ محمودہ بیگم صاحبہ کو صاف صاف اپنے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں:

> مودودی صاحب بڑے صاف گو تھے۔ انھوں نے شادی سے قبل میرے دادا جان کو ایک خط میں سارے حالات لکھے تھے کہ یہ میرا مشن ہے۔ اگر اللہ نے مجھے توفیق دی تو ایک اعلیٰ گھر بھی بناؤں گا اور گاڑی بھی رکھوں گا' کیونکہ میں ہوتے سوتے خراب حالات میں رہنے کا قائل نہیں۔ لیکن اگر اللہ نے مجھے نہ دیا تو میں خستہ حالی میں بھی اپنے مشن کو نہیں چھوڑوں گا۔ میرے دادا ابا نے جو جواب دیا وہ میرے والدین کے سامنے مجھے سنانے کے لیے پڑھ کر سنایا۔ اس میں یہ جملہ بھی تھا: ''ہماری بیٹی محل میں بھی تمھارا ساتھ دے گی اور جھونپڑی میں بھی'' --- دادا جی کی اس بات نے آنے والے حالات میں مجھے بے پناہ تقویت اور حوصلہ بخشے رکھا۔ (تذکرہ سید مودودیؒ، ج ۳' ص ۱۸۲)

بالفاظ دیگر مولانا مودودیؒ کو اپنے مشن اور اس کی دشواریوں کا اندازہ ضرور تھا' مگر غائب کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہ اپنی محبت کا دعویٰ کرنے والے بندوں کو آزمانے کے لیے حالات بھی اپنی قدرت اور حکمت سے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اللہ کی حکمتیں صرف وہی جانتا ہے۔

بہرحال یہ ۱۹۳۷ء کے ابتدائی دنوں سے شروع ہونے والا اسفری' مالی' جسمانی' ذہنی اور فکری بحران ۱۹۳۸ء کے آخر تک' بلکہ شاید ۱۹۳۹ء کی ابتدا تک جاری رہا۔ مولانا مودودیؒ' بیگم مودودی اور استاذ محترم مولانا

صدرالدین اصلاحیؒ سب کے سب اس میں ثابت قدم رہے: فجزاھم اللّٰہ عنا خیرًا واغفرلنا ولھم وتقبل منھم ومنا انہ سمیع قریب مجیب۔

خلاصۂ کلام

مزید غور وفکر سے مندرجہ ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱۹۳۷ء سے شروع ہونے والے مرحلے کو ہم سید مودودیؒ کی زندگی میں خط فاصل قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت سے:

- سید مودودیؒ کی ازدواجی اور عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور وہ ایک خاندان کے سربراہ بنتے ہیں۔
- اپنے ''مشن'' کے حصول کی راہ میں وہ رختِ سفر' نہایت نامساعد حالات میں باندھتے ہیں۔
- جب مشن کی راہ میں فردی اور مادی (یعنی افراد اور پیسے) کی دیواریں کھڑی ہو جاتی ہیں اور چودھری نیاز علی خاں اسلامی حکومت کے قیام کے ارادے کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو مولانا مودودیؒ اس مشن کی خاطر ایک اور نامعلوم مقام کی طرف چھلانگ لگاتے ہیں' نتائج وعواقب کی پروا کیے بغیر۔ اور راتوں رات لاہور کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ یہ ایک جماعت کی قیادت اور سربراہی کی راہ میں پہلا امتحان تھا۔ اس امتحان میں وہ کامیاب رہے۔
- لاہور میں اس مشن کی راہ میں کام کیے جاتے ہیں' یہاں تک کہ اُس جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آتی ہے جس کا مقصد ''اسلامی حکومت کا قیام'' یا ''اقامت دین حق'' قرار پاتا ہے۔ یہ قیادت میں کامیابی کا دوسرا ثمرہ تھا۔
- جب ڈھائی تین سال کے بعد پھر دارالاسلام لوٹتے ہیں تو اس کا سبب اور شرط پھر استاذ محترم کی زبانی سنیے:

دارالاسلام واپسی

''جب ڈھائی تین سال بعد مولانا پھر دارالاسلام لوٹے تھے تو کس شرط پر لوٹے۔ میں ان دنوں لاہور میں موجود نہیں تھا۔ اس لیے براہ راست علم کی بنا پر کوئی روایت نہیں کر سکتا' مگر دارالاسلام واپس لوٹنے سے چند ماہ قبل مولانا مودودی مرحوم نے مجھے اس بارے میں جو اطلاع دی تھی' اس سے حقیقت پوری طرح سمجھی جاسکتی ہے۔

یکم فروری ۱۹۴۱ء کے اپنے ایک گرامی نامے میں موصوف نے تحریر فرمایا تھا:

کچھ مدت سے چودھری نیاز علی خان صاحب اور شیخ نصیب صاحب نے پھر اصرار شروع کیا ہے کہ تم

پھر پٹھان کوٹ والی جگہ کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اس سلسلے میں بہت کچھ خط و کتابت ہوئی اور بات چیت کی نوبت بھی آئی۔ آخر میں یہ تصفیہ ہوا کہ وہ عمارات مع چھ ایکڑ زمین کے ۹۰ سال کے پٹے پر میں ان سے لوں گا اور شرح کرایہ سو روپیہ سالانہ یا اس کے قریب قریب ہوگی۔ اس صورت میں ہمارے ادارے کا ان کے ٹرسٹ سے کوئی تعلق نہ رہے گا اور نہ کسی قسم کی مداخلت ان کا حق ہوگا۔ ہم محض ایک کرایہ دار کی حیثیت سے وہاں رہیں گے، جس طرح یہاں (لاہور میں) کرایہ دے کر رہتے ہیں" (تذکرہ سید مودودیؒ، ج ۳، ص ۸۴۷-۸۴۸)۔

یہ قیادت میں کامیابی کا اور اصول و مبادی پر جم جانے کا تیسرا ثمرہ تھا۔

اسی لیے جب اس دارالاسلام میں مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوئے تو مولانا مودودیؒ بھانپ گئے کہ اقامت دین حق کا وہ مفہوم جو "اسلامی حکومت کے قیام" کے ہم معنی ہے، ان حضرات کو نہیں پچ رہا ہے۔ اس لیے انھوں نے ان حضرات اور ان کے موہوم اعتراضات کو کوئی اہمیت نہیں دی، کیونکہ وہ اور ان کے دارالاسلام سے لاہور ہم سفر حضرات اس بھٹی میں تپنے کے بعد ایک ایسا کھرا سونا بن چکے تھے، جس کی مارکیٹ میں ایک قابل قدر حیثیت ہوا کرتی ہے۔ یہ کامیابی اور کامرانی کا چوتھا ثمرہ تھا۔

جب یہی سونا: قرارداد مقاصد کی منظوری، اسلامی دستور کی مہم، پھانسی کی کوٹھڑی وغیرہ میں اپنا سکہ جما چکا اور وزیراعظم پاکستان چودھری محمد علی کے ہاتھوں اسلامی دستور پاس ہوگیا، پھر جب اس کی تنفیذ کا مرحلہ پیش آیا تو عملی میدان میں اُترنے کے مسئلے پر جماعت ایک بار پھر بحران کا شکار ہوگئی۔ اس بار بھی حزبِ اختلاف کی سرکردگی مدارس سے فارغ حضرات ہی کر رہے تھے۔ مولانا مودودیؒ نے جماعت میں داخلی ٹکراؤ سے بچاؤ کے لیے استعفا پیش کر دیا[۶]۔ ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں ان کو کامیابی سے پانچواں پھل ملا۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات جیسا کہ چودھری نیاز علی خاں صاحب، شیخ نصیب صاحب تو کچھ مدت بعد اپنے موقف پر نظرثانی کر کے راہ حق پر لوٹ سکتے ہیں، لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، مولوی تمیزالدین، اے کے بروہی وغیرہم بھی اسلامی حکومت کے حق میں موقف اپنا سکتے ہیں، حتیٰ کہ بعد میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم تک بھی کسی نہ کسی شکل میں تعاون پر آمادہ ہو جاتے ہیں، مگر یہ کیا ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام کی گولی کسی کے حلق سے نہیں اتر سکتی ہے تو وہ ہے خود علمائے کرام کا ایک موثر طبقہ۔

اس کی وجہ سیاست اور سیاسی امور سے سخت نفرت اور سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھنا ہے۔ یہاں تک کہ سیاسی و اجتماعی امور میں الجھنا، طہارت، تقویٰ اور دین داری کے خلاف سمجھنا ہے۔ اس پندار سے نکلنے میں

۶- مضمون کے آخر میں دیکھیے حاشیہ ۳۔

یہ سخت ناکام رہے ہیں۔ اسی طرح ایک ہمسایہ ملک میں عرش اقتدار تک تو پہنچ گئے مگر وہ اپنے مخصوص تدریسی ماحول سے اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکے۔ جمود پر قناعت کی اور اجتہاد سے اظہار بیزاری کیا اور عصرِ حاضر کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لیں اور حکمت' وسیع القلبی اور وسیع النظری پر قرار واقعی توجہ نہ دی۔ جس سے داخلی اتحاد و تعاون میں کمی اور دشمن کو حملہ کرنے کی سہولت میسر آئی۔ انجام حسرت ناک سامنے آیا۔

رہے مولانا مودودیؒ تو انھوں نے اس اونچی دیوار کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی جو دین اور سیاست کے درمیان کھڑی کی گئی تھی۔ اس میں وہ اور ان کے رفقا بڑی حد تک کامیاب رہے' جس کے نتیجے میں آج اسلامی حکومت کے قیام کا تصور ایک مسلمہ امر بن چکا ہے۔

اسلامی ریاست کے قیام کی اس جدوجہد میں مایوس ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے۔ وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (التوبہ ۹:۳۲) ''مگر اللہ اپنی روشنی کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو''۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۱۲:۲۱) ''اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے' مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں''۔

حواشی

۱- جناب رفیع الدین فاروقی اپنے مقالے ''مولانا مودودیؒ اور حیدرآباد دکن'' میں رقم طراز ہیں: ''...... پھر مولانا مودودیؒ کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ اپنی مشکلات کا تذکرہ سوائے خدا کے اور کسی سے نہ کرتے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ سرکار آصفیہ تین سو سے زائد پرچوں کی خریدار تھی اور ممالک محروسہ سرکار عالی کے مختلف کتب خانوں میں یہ پرچہ جاتا تھا۔ ایک مختصر سے مخالف گروپ نے امور مذہبی پر اثر ڈال کر رسالہ کی خریداری بند کرا دی۔ اچانک تقریباً نصف رسالوں کی خریداری بند ہو جانے سے مولانا شدید مالی مشکلات سے دوچار ہو گئے (غالباً یہ واقعہ اپریل ۱۹۳۷ء کا ہوگا کیونکہ مئی ۳۷ء کے ترجمان القرآن کے اشارات میں اس کا اشارہ ملتا ہے'' (تذکرہ سید مودودیؒ ' ج ۳' ص ۳۲۷-۳۲۸)۔ خیال رہے کہ نومبر ۱۹۳۷ء سے پرچے کی خریداری بند کی گئی تھی' جب کہ ماہ پیش تر شادی کے اخراجات ہو چکے تھے۔

۲- (حوالہ بالا' ص ۸۴۶)۔ قابل غور امر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے قیام سے نہ صرف چودھری نیاز علی صاحب جیسے جدید تعلیم یافتہ حضرات بدک گئے تھے بلکہ علما کرام کو بھی اس مقصد سے بہت کچھ تحفظات (reservations) تھے۔ لیکن مولانا محمد منظور نعمانیؒ نہ صرف اس دارالاسلام کے دستور میں اسلامی حکومت کے قیام پر موافق تھے' بلکہ اُس جماعت اسلامی کے تاسیسی اجتماع میں منظور شدہ دستور میں بھی اسلامی حکومت کے قیام پر موافق تھے جو لاہور میں

منعقد ہوا تھا۔ پھر پتا نہیں اتنے عرصے اس موضوع پر غور کرنے کے بعد ان میں تبدیلی کیوں آئی؟ اگر سطحی اور معمولی اختلافات سے ایسا ہوا تو افسوس ناک امر ہے۔ کیونکہ کسی بھی، ہاں' کسی بھی جماعت یا تحریک کے قائدین کا وسیع القلب اور حلیم المزاج ہونا ازحد ضروری ہے۔ شاید اسی وجہ سے اس کے بعد وہ باقاعدہ کسی بھی نظم میں شریک نہیں ہو سکے اور کسی نظم کا جز نہیں رہ سکے۔ اسی طرح دو دستور تیار ہوئے اور دو بار تجدید شہادت بھی ہوئی۔ مولانا اصلاحیؒ نے ان دیگر تین افراد جماعت کے نام پیش کیے' جو ان کے علاوہ اس دارالاسلام والی جماعت کے ارکان تاسیسی تھے۔ ظاہر بات ہے وہ خود اس اولین جماعت کے اولین رکن تھے۔ کاش ان دونوں دستوروں کا تقابلی موازنہ کر کے ان کے درمیان جو اغراض و مقاصد اور تنظیمی اور تربیتی امور میں فرق پایا جاتا تھا' ان پر روشنی ڈالی جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔

۳- اس بحران کے اسباب کے لیے ملاحظہ فرمایئے محمد حمیداللہ صدیقی صاحب کا خط بنام ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی' مورخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۵۷ء خصوصاً ص ۳۲۶' سطر ۹ سے لے کر سطر ۱۵ تک (اسلام' معاشیات اور ادب' ایجوکیشنل بک ہاؤس' علی گڑھ' اگست ۲۰۰۰ء)۔ مزید ملاحظہ کیجیے: مضمون ''گہرہائے گراں مایہ'' از سلیم منصور خالد (تذکرۂ مودودیؒ' ج ۳' ص ۴۹۱-۵۰۰)۔ اسی کے صفحہ ۵۰۱ پر ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے نتائج دیکھیے: اس میں ۹۲۰ ارکان موافق تھے اور ان کے مقابلے میں ۱۵ مخالف تھے۔ اگر اس رائے پر کچھ لوگوں نے ''مریدوں کی رائے'' کی پھبتی کسی تو یہی وہ جماعت ہے جو مولانا مودودیؒ کی فکر کی رہینِ منت ہے۔

اشاعت خاص

ماہنامہ

ترجمان القرآن

۲۰۰۳ء میں سید مودودی علیہ الرحمہ کے صد سالہ یومِ ولادت کے موقع پر ماہنامہ ترجمان القرآن نے اشاعت خاص شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں آپ کی کوئی تجویز اور مشورہ ہو تو اس سے آگاہ فرمایئے۔

آپ کوئی تعاون کر سکتے ہوں تو اس سے بھی مطلع کیجیے۔ (ادارہ)



Adarts-CAR-1/2000

افغانستان:

امریکی جارحیت اور خانہ جنگی کے چنگل میں

ڈاکٹر محمد ساعد ○

۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ اور اس کی اتحادی افواج نے افغانستان پر حملہ کر کے مغربی تہذیب وتمدن کی تاریخ میں ایک نہایت ہی سفاکانہ اور شرم ناک باب کا اضافہ کیا ہے۔ افغانستان میں طالبان نے شریعت اسلامی پر مبنی جو حکومت قائم کی تھی گو اس میں بہت سی خامیاں تھیں لیکن اس کے باوجود یہ اسلامی اقدار کی علم بردار تھی' جس کی اپنی آزاد خارجہ پالیسی تھی' جو اصولوں پر سودے بازی کے لیے تیار نہیں تھی' جو مالی غربت اور مشکلات کے باوجود کسی سے امداد کی بھیک نہیں مانگتی تھی اور جس نے ثابت کیا تھا کہ غربت اور افلاس کے باوجود اگر کوئی ریاست چاہے تو عزت و وقار سے اقوام عالم میں زندہ رہ سکتی ہے۔ افغانستان کی یہ آزاد اور جری پالیسی مغربی ممالک کے تیار کردہ عالمی نقشے میں کہیں بھی فٹ نہیں ہو رہی تھی۔ امریکی حکام طالبان کی حکومت کو مغربی تہذیب کے لیے خطرہ اور ایک بڑا چیلنج سمجھتے تھے۔ اس لیے ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے عالمی تجارتی مرکز کے واقعے میں اسامہ بن لادن کو ملوث کرتے ہوئے انھوں نے طالبان کی فوج اور نہتے افغان عوام کے ساتھ خون کی ہولی کھیلی۔ بقول صدر بش یہ اکیسویں صدی کی صلیبی جنگ کا آغاز تھا۔ لیکن اس کے پس پردہ سیاسی اور اقتصادی مقاصد بھی کارفرما تھے۔

وسط ایشیا کے مسلمان ممالک جو روسی قبضہ استبداد سے آزاد ہو چکے ہیں' بے شمار قیمتی معدنیات اور وسائل سے مالا مال ہیں۔ ان کے گیس اور پٹرولیم کے ذخائر پر ایک عرصے سے امریکی حکومت کی لالچی نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ معدنی وسائل اُس وقت تک استعمال میں نہیں لائے جاسکتے تھے جب تک کہ ان کو بحیرہ عرب تک لانے کے لیے خاطر خواہ مواصلاتی انتظام نہ کیا جائے۔ اس میں افغانستان کی طالبان حکومت

○ ڈائرکٹر' انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز' پشاور

ایک اہم رکاوٹ تھی جسے دُور کرنے کے بعد ہی ان معدنی ذخائر کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا۔ ۱۱ستمبر کے واقعے کو بہانہ بنا کر ان عزائم کی تکمیل کے لیے امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا۔ افغانستان کے شمالی اتحاد نے امریکی حملے میں بھرپور مدد و تعاون کیا اور امریکی افواج کے ہراول دستے کا غدارانہ کردار ادا کیا۔ اہل پاکستان کی بدنصیبی کہ حکومت پاکستان نے بھی اس میں امریکہ کی ہر طرح کی حمایت و مدد کی۔ دو مہینے تک افغانستان کے شہر اور دیہات امریکی افواج کی بم باری اور گولہ باری کا نشانہ بنے رہے۔ یہ سفاکانہ حملے رمضان شریف کے مہینے میں بھی جاری رہے۔ عید کے دن بھی بے گناہ نمازیوں کو شہید کیا گیا۔ اس حملے کے نتیجے میں ۴ ہزار سے زائد شہری شہید ہوئے۔ ہزاروں جنگی قیدیوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ہسپتال، اسکول، سڑکیں اور پُل مسمار کیے گئے۔ افغانستان کے اکثر ہوائی اڈوں کو ناکارہ بنایا گیا۔ آریانہ افغان کے طیارے تباہ کیے گئے۔ کابل، قندھار، جلال آباد کے شہر ملبے کا ڈھیر بن گئے۔

دسمبر کے مہینے میں اقوام متحدہ کے زیرنگرانی جرمنی کے دارالحکومت بون میں شمالی اتحاد، روم اور پشاور گروپ کے نمایندوں، افغان دانش وروں اور جنگجو کمانڈروں کے مذاکرات ہوئے۔ حامد کرزئی کو عبوری حکومت کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ چھ مہینے کے بعد افغان لویہ جرگہ کا اجلاس منعقد ہوگا جس میں آیندہ دو سال کے لیے نئی حکومت تشکیل دی جائے گی۔ جون کے وسط میں لویہ جرگہ کا اجلاس کابل میں طلب کیا گیا۔ اس میں ۱۵۰۱ منتخب افراد کے علاوہ ۴۷ جنگجو کمانڈروں نے بھی شرکت کی جو بون معاہدے کی سراسر خلاف ورزی تھی۔ لویہ جرگہ کے اجلاس میں صدر بش کے خصوصی معاون زلمے خالدزاد نے امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے بادشاہ گر کا کردار ادا کیا۔

کرزئی عبوری حکومت کے صدر منتخب ہوئے۔ پنج شیری تاجک اتحاد کے عبداللہ کو وزیرخارجہ اور قاسم فہیم کو وزیر دفاع مقرر کیا گیا۔ وزارت داخلہ کو یونس قانونی سے لے کر تاج محمد وردک کے حوالہ کیا گیا لیکن وزارت داخلہ کو بدستور تاجک گروہ کے زیراثر رکھنے کے لیے سابق وزیرداخلہ یونس قانونی کو صدر کا مشیر برائے اُمور داخلہ مقرر کیا گیا۔ اس طرح کرزئی کابینہ کی اہم وزارتوں میں کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں لائی گئی۔ لویہ جرگہ کی آڑ میں امریکی ایجنڈے کو ''عوامی جمہوری'' طریقے سے عملی جامہ پہنایا گیا۔

امن و امان کی صورت حال: اس وقت افغانستان کئی ایک مسائل سے دوچار ہے۔ ان میں سب سے سنگین مسئلہ امن و امان کا ہے۔ طالبان کے دورِحکومت میں مکمل امن و امان تھا۔ ملک کے کسی بھی حصے میں دن یا رات کو بلاخوف وخطر سفر کرنا ممکن تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امن و امان بحال کرنے میں لوگوں کا تعاون شامل حال تھا اور مجرموں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ لوگوں نے ازخود اسلحہ طالبان

کے حوالے کیا تھا۔ مسلح افراد کا گھومنا پھرنا خلاف قانون اور جرم تھا۔

امن و امان کی صورتِ حال کی خرابی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بین الاقوامی فوج کے باوجود کابل شہر کے اندرون کے وقت آزادی سے گھومنا پھرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن جو پہلی عبوری حکومت میں وزیر ہوائی مواصلات تھے اُن کو کابل ہوائی اڈے پر فوجی پہرے داروں کے سامنے قتل کیا گیا۔ ابھی تک ان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا جا سکا۔ اسی طرح حاجی عبدالقدیر نائب صدر کو دن دہاڑے اپنے دفتر کے سامنے ان کے داماد سمیت موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ ان کے قاتلوں کا بھی تا حال سراغ نہیں لگایا جا سکا ہے۔ کابل شہر میں امن و امان کی صورت حال کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ظاہر شاہ کی حفاظت پر اٹلی کا فوجی دستہ مامور ہے، جب کہ صدر مملکت حامد کرزئی نے افغان فوجی دستے کو ہٹا کر امریکی فوجی گارڈ کو اپنی سیکورٹی کے لیے متعین کیا ہے۔ ملک کے امن و امان کے متعلق پکتیا کے سابق گورنر بادشاہ خان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جس ملک میں صدر ممکت کی اپنی جان محفوظ نہ ہو اور اس کو اپنی حفاظت کے لیے امریکی فوج کی مدد درکار ہو وہاں عام آدمی کی جان و مال کیسے محفوظ رہ سکتی ہے''۔ کابل شہر سے باہر ملک میں مسلح افراد اور جنگجو کمانڈروں کا راج ہے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ غیر قانونی پھاٹک کھڑے کیے گئے ہیں جہاں پر ٹیکس ادا کرنے کے بعد آگے جانے کی اجازت ملتی ہے۔ امن و امان کی صورت حال　شمالی علاقہ جات میں بالخصوص ابتر ہے جہاں غیر ملکی امدادی اداروں کے دفاتر کو لوٹ لیا گیا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک (FAO) کے ذخیرہ گودام پر زبردستی قبضہ کیا گیا ہے۔ ان کے عملے کی گاڑیاں چھینی گئی ہیں۔ ان کے زنانہ افرادکار کے ساتھ ''گینگ ریپ'' کے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ اس تشویش ناک صورت حال کی وجہ سے امدادی اداروں نے اپنے دائرہ کار محدود کر رکھے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے مرد اور زنانہ اہل کار شہروں میں آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں، نہ بازار میں ضروریات زندگی خریدنے کے لیے آ سکتے ہیں۔

امن و امان کی خراب صورت حال کی وجہ سے افغان شہریوں نے اپنے آپ کو مسلح کر رکھا ہے۔ بہت سا اسلحہ طالبان کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کرنے کے لیے مفت تقسیم کیا گیا تھا۔ حال ہی میں کرزئی حکومت نے احکامات جاری کیے ہیں کہ ہر قسم کے اسلحے کو سرکاری مال خانے میں جمع کرایا جائے لیکن کسی نے بھی اس بات کو اہمیت نہیں دی۔ امن و امان کی خرابی کی دوسری وجہ یہاں کے جنگجو کمانڈر ہیں۔ طالبان حکومت نے ان کو غیر مسلح کر کے غیر موثر بنا دیا تھا۔ ان کی من مانی کارروائیوں پر کڑی نگرانی کی جاتی تھی جس کی وجہ سے ان کو ملک چھوڑنا پڑا تھا۔ امریکی حکومت نے اِن کمانڈروں کی پشتیبانی کی۔ ان کو جدید اسلحے

سے لیس کیا' بے تحاشا ڈالروں سے نوازا' مواصلات کی جدید سہولیات مہیا کیں اور ان کو طالبان حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لیے استعمال کیا۔ اس وقت افغانستان میں ان جنگجو کمانڈروں کی خودمختار ولایتیں (خطے اور علاقے) ہیں۔ یہ ٹیکس اور کسٹم وصول کرتے ہیں جو مرکزی خزانہ میں جمع نہیں کرایا جاتا۔ ان کے پاس جدید اسلحہ سے لیس مسلح فوج اور پولیس ہے۔ ذاتی مفادات کی خاطر آپس میں لڑتے اور خون خرابہ کرتے ہیں۔ ان پر مرکزی حکومت کا اثر ورسوخ برائے نام ہے۔ ان کی حیثیت خودمختار حکمرانوں کی سی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بااثر شمال میں عطا محمد' مزارشریف میں عبدالرشید دوستم' ہرات میں اسماعیل خان' قندھار میں گل شیر خان اور فراہ میں امان اللہ ہیں۔

یہ بات باعث حیرت و تعجب ہے کہ جنگجو کمانڈروں کو امریکی حکومت کی آشیرباد حاصل ہے۔ اس لیے کہ ان ہی کی مدد سے امریکی فوج افغانستان پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے۔ لویہ جرگہ کے اجلاس کے دوران جب کئی ایک ممبران نے ان جنگجو کمانڈروں کی لویہ جرگہ میں شرکت پر اعتراض کیا اور ان کے نظام کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تو اقوامِ متحدہ کے نمایندوں نے جواب دیا کہ ''بون معاہدے کا مقصد صرف مستقبل کی عارضی حکومت کی تشکیل ہے۔ جنگجو کمانڈروں کے نظام کو چھیڑنا نہیں ہے''۔

پوست کی کاشت: طالبان کے دورِ حکومت سے پہلے پورے افغانستان میں پوست کی کاشت ہوتی تھی جس سے سالانہ ۵ سو ملین ڈالر آمدنی تھی۔ یورپ کی افیون اور ہیروئن کی ۷۰ فی صد ''مانگ'' یہاں سے پوری ہوتی تھی۔ طالبان جب اقتدار میں آئے تو پوست کی کاشت کو غیراسلامی قرار دے کر پورے ملک میں ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق: ''سال ۲۰۰۱ء میں پورے افغانستان میں کہیں بھی پوست کی کاشت نہیں کی گئی''۔ اہم بات یہ ہے کہ کسانوں نے پوست کی کاشت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کیا۔ یہ سب کچھ مذہبی جذبے کے تحت کیا گیا۔ امریکی حملے کے بعد پورے افغانستان میں ایک مرتبہ پھر پوست کی کاشت کی گئی ہے۔ حکومت نے کسانوں سے اپیل کی ہے کہ اگر وہ پوست کی فصل کو ضائع کر دیں تو انھیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا لیکن انھوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہے۔

مخبروں کی کارروائیاں: مخبر جن کو امریکی حکومت نے سٹلائیٹ فون مہیا کیے ہیں پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر تاجک گروہ سے ہے۔ انھوں نے کئی موقعوں پر اپنے مخالفین پر امریکیوں سے بم باری کروائی ہے۔ ان کی غلط اطلاعات کی بنا پر امریکی جنگی طیاروں نے بے گناہ شہریوں پر بم باری کی ہے۔ اس کی تازہ مثال اورزگان میں شادی کی تقریب پر ہیلی کاپٹر گن شپ اور بم بار طیاروں

سے بم باری ہے جس میں ۴۰ افراد جاں بحق اور ۱۰۰ سے زائد زخمی ہوئے۔ ان واقعات کی وجہ سے پشتون علاقے میں امریکہ سے انتہائی نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ اس بم باری کے خلاف پہلی مرتبہ کابل میں مظاہرہ ہوا۔ جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مستقبل میں اس قسم کے حادثات کی روک تھام کی جائے۔ بم باری کے بعد اورزگان کے گورنر نے بیان دیا کہ امریکی فوجی عملے سے کہا گیا ہے کہ ''مستقبل میں اس قسم کے آپریشن سے پہلے صوبائی حکومت سے اجازت لینی ضروری ہوگی''۔ لیکن امریکی ترجمان نے تردید کی کہ ''ہم اس قسم کی اجازت کے پابند نہیں ہیں''۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مخبروں کی رپورٹ پر افغان شہریوں کو اس شبہے میں قید کیا جاتا ہے کہ ''وہ القاعدہ کے افراد یا پاکستانی ہیں''۔ انھیں صفائی پیش کرنے کے بعد ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔ لوگوں سے پیسہ بٹورنے کے لیے امن پسند شہریوں پر القاعدہ کا الزام لگایا جاتا ہے اور انھیں اپنے آپ کو بچانے کے لیے کثیر رقم دینی پڑتی ہے۔ اس طرح کی بلیک میلنگ افغان شہروں میں کاروبار کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ امن و امان کی یہ صورت حال افغانستان کی تعمیرنو کی راہ میں ایک سنگین رکاوٹ ہے۔

افغان مہاجرین کے مسائل: حامد کرزئی نے جب سے عنانِ حکومت سنبھالی ہے عالمی سطح پر اس بات کا برابر چرچا کیا جا رہا ہے کہ ملک میں امن و امان بحال ہوگیا ہے' خوش حالی کا دور دورہ ہے۔ بین الاقوامی ادارہ برائے مہاجرین (UNHCR) نے بھی افغان مہاجرین کو ملک واپس جانے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے نتیجے میں گذشتہ چھ مہینوں میں ۱۵ لاکھ مہاجرین پاکستان' ایران اور دیگر وسطی ایشیائی ممالک سے افغانستان واپس آ گئے۔ یہ مہاجرین زیادہ تر کابل' جلال آباد' قندھار اور ان کے گردونواح میں مہاجر کیمپوں میں رہایش پذیر ہیں۔ عملاً صورت حال یہ ہے کہ ان خیمہ بستیوں میں پانی کی فراہمی' صفائی' تعلیم اور صحت کی سہولیات ناپید ہیں۔ مہاجرین میں سے جن کے اپنے مکانات تھے اور جو جنگ کے دوران تباہ و برباد ہوگئے تھے ان میں سے چند ایک نے اپنے مکانات کی تعمیر اور مرمت کی ہے لیکن اکثر و بیشتر کے پاس خیموں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ۳ لاکھ ۵۰ ہزار پشتون مہاجر زیادہ تر جلال آباد کے قریب ''حصار شاہی'' کے سنگلاخ اور بے آب و گیاہ میدان میں پڑے ہیں۔ یہاں خواتین کو پانچ کلومیٹر دور سے پانی لانا پڑتا ہے اور سخت مشکلات و مصائب میں زندگی گزار رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد اندرون ملک بے دخل افراد کی ہے جس کا تعلق پشتون آبادی سے ہے۔ یہ تاجک علاقوں میں آباد تھے جن کے ساتھ شمالی اتحاد کی افواج نے تشدد کا سلوک کیا ہے۔ خواتین کی بے حرمتی کی' گھر کا سامان لوٹ لیا اور زرعی زمینوں سے بے دخل کر دیا گیا۔ ان کی دکانوں پر تاجک افراد نے زبردستی قبضہ کیا ہے۔ بہ امر مجبوری وہ تاجک علاقے

سے ملک بدر ہوگئے ہیں۔ اِن کی بڑی تعداد اپنے گاؤں کو چھوڑ کر کابل کے گرد و نواح میں کسمپرسی کی حالت میں خیمہ زن ہے۔

بے روزگاری کا مسئلہ: ایک اہم مسئلہ روزگار کا ہے۔ سرکاری دفاتر میں آسامیوں پر تقرری حکام بالا کی سفارش کے بغیر ناممکن ہے۔ مرکزی حکومت کے کلیدی عہدوں پر پنج شیری تاجک قابض ہیں۔ کم تر درجے کی ملازمتوں پر اِکا دکا پشتون، ہزارہ، یا ازبک نظر آتا ہے۔ جس کی وجہ سے تاجک طبقے کے خلاف نفرت اور غصے کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ باغات جو زرمبادلہ کمانے کا واحد ذریعہ تھے، ویران پڑے ہیں۔ ان کی آب پاشی کا نظام درہم برہم ہوگیا ہے۔ بیش تر کاریز صفائی نہ ہونے کی وجہ سے بند ہیں۔ مزید یہ کہ قدم قدم پر روسیوں کی بارودی سرنگیں بکھری پڑی ہیں جن کو ابھی تک ناکارہ نہیں بنایا گیا ہے۔ ان کے خوف سے کوئی کسان زرعی زمین میں کاشت کی ہمت نہیں کرسکتا۔ ملک کے تقریباً سارے کارخانے تباہ و برباد ہیں۔ بیرون ملک تجارت نہ ہونے کے برابر ہے اور اندرونی تجارت صرف روزمرہ اشیا تک محدود ہے۔ لہٰذا روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ خیمہ بستیوں میں بے اطمینانی کی فضا ہے۔ اکثر و بیشتر کی سوچ ہے کہ افغانستان واپس آ کر ہم غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

افرادی قوت اور تعمیرنو کا مسئلہ: افغانستان اس وقت اعلیٰ افرادی قوت کی کمی کا شکار ہے۔ یہاں کے یونی ورسٹی کے پروفیسر، ڈاکٹر، انجینیر، سفارت کار، نظام حکومت کو چلانے والے اہل کار سب کے سب ملک سے باہر امریکہ، جرمنی یا انگلینڈ میں مستقل طور پر آباد ہیں۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہاں آنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اہم آسامیوں پر کام کرنے کے لیے مقامی آبادی کے موزوں افراد ناپید ہیں۔ باہر سے غیر افغان ماہرین کا آنا غیر متوقع ہے اور اگر یہ ماہرین افغانستان میں خدمات سرانجام دینے پر راضی ہوگئے تو بیرونی امداد کا اچھا خاصا حصہ اُن کی تنخواہ اور دیگر مراعات پر خرچ ہوگا۔

پاکستان واحد ملک ہے جو کہ افغانستان کی تعمیرنو میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتا ہے۔ افغانستان کے اکثر و بیشتر لوگ اُردو سمجھ سکتے ہیں۔ پاکستان اس کا قریب ترین پڑوسی ملک ہے جہاں سے بھاری قسم کا سامان مثلاً سیمنٹ، سریا، آٹا، مصنوعی کھاد اور بجلی کا سامان آسانی سے لے جایا جاسکتا ہے۔ لیکن وہاں امن و امان کی صورتِ حال اتنی خراب ہے کہ کسی بھی پاکستانی کا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ کرزئی حکومت پاکستان کے بجائے بھارت پر زیادہ انحصار کر رہی ہے۔ اس وقت صورتِ حال اتنی خراب ہے کہ پشتو بولنے والے افغانیوں کو اکثر و بیشتر پاکستانیوں کے شبہے میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ جب وہ ثابت کردیں کہ وہ پاکستانی نہیں ہیں تب اُنھیں رہا کیا جاتا ہے۔ اس صورتِ حال میں کسی بھی پاکستانی کا آزادی سے گھومنا

پھرنا محال ہے کجا یہ کہ وہ کسی تعمیری منصوبے میں کوئی حصہ لے سکے۔ حکومت کی پوری مشینری پاکستان کے خلاف ہے اور پاکستان کے ساتھ کسی قسم کے ٹھوس اور پایدار روابط کے حق میں نہیں ہے۔ ہر قسم کے بدامنی اور قتل و غارت کے واقعات میں پاکستان کو ملوث کرنا ' اور پاکستانیوں کو موردِ الزام ٹھیرانا روز مرہ کا معمول ہے۔

اس کے مقابلے میں بھارت ایک منظم منصوبے کے تحت موجودہ حکومت کی مدد و تعاون کے لیے میدان میں اُترا ہے۔ پہلے مرحلے میں انھوں نے کابل کے اندر گاندھی ہسپتال کو دوائیاں' طبی آلات اور ڈاکٹر مہیا کیے ہیں۔ اس کے بعد خیرسگالی کے طور پر ۲۵ بسوں کا ایک بیڑہ پیش کیا ہے۔ اگست کے دوسرے ہفتے میں تین ایربس طیارے آریانہ ایرویز کے حوالے کیے گئے۔ یہ جہاز بھارتی پائلٹ چلائیں گے۔ ان کو افغانستان اور بھارت کے درمیان پروازوں کے لیے استعمال میں لایا جائے گا۔ اس لیے کہ بھارتی طیارے پاکستانی فضائی حدود پر سے پرواز کرتے ہوئے افغانستان نہیں جاسکتے۔

ہزاروں پاکستانی طالبان کے دور حکومت میں کاری گروں کی حیثیت سے آئے تھے اور محنت و مزدوری کرتے تھے۔ ان میں موٹر مکینک' الیکٹریشن' نرسنگ سٹاف اور انگریزی جاننے والے کلرک شامل تھے۔ یہ سارے کے سارے افغان جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔ ان پر الزام ہے کہ یہ القاعدہ کے شانہ بشانہ لڑنے والے افراد ہیں۔ ان میں ہزاروں افراد مختلف قبائلی حجروں میں قید ہیں اور ۳۰ ہزار سے ۸۰ ہزار روپے معاوضے کے بعد چھوڑا جاتا ہے۔ اکثر مناسب خوراک نہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہیں۔ دن کو اُن سے محنت مزدوری کا کام لیا جاتا ہے اور رات کو پابہ زنجیر رکھا جاتا ہے۔ ان میں بوڑھے افراد بھی ہیں جن کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ یہ افراد ویزا لے کر روزگار کی تلاش میں افغانستان گئے تھے۔ یہ ایک قومی المیہ ہے کہ حکومت پاکستان نے ان کی رہائی کے لیے مؤثر آواز اٹھائی ہے اور نہ کوئی عملی اقدام کیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ان میں سے سیکڑوں کو بھارت منتقل کیا گیا ہے۔

لسانی بنیادوں پر تفریق: افغانستان کی ۲۰۰ سالہ تاریخ میں نسلی یا لسانی بنیادوں پر کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ تاجک' ہزارہ اور پشتون آپس میں امن وامان سے رہتے تھے۔ ان کی آپس میں شادیاں ہوتی تھیں۔ ملازمتوں کی تقسیم میں بھی کبھی لسانی بنیاد پر کوئی اختلافات سامنے نہیں آئے۔ ظاہر شاہ کا تعلق پشتون قبیلہ بارک زئی سے تھا لیکن اُس کی اور اس کے آباو اجداد کی شادیاں فارسی بولنے والے تاجک قبیلوں میں ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے شاہی خاندان میں بھی پشتو اور فارسی دونوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔

افغانستان میں لسانی بنیاد پر تفریق کی بنیاد کمیونسٹ دور حکومت میں ڈالی گئی۔ یہ افغان ملت کو لسانی

بنیادوں پر تقسیم کرنے کے منصوبے کا حصہ تھا جو روسی افواج کی شکست کے بعد ادھورا رہ گیا۔ بہرحال لسانی بنیادوں پر تفریق کا بیج ڈالا گیا جس کے منفی اثرات دوران جہاد بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کوشش بسیار کے باوجود جمعیت اسلامی کے تاجک برہان الدین' سیاف اور حزب اسلامی کے پشتون گلبدین حکمت یار کے درمیان جہادی کارروائیوں میں بھی اتفاق رائے پیدا نہ ہو سکا۔ روسی شکست کے بعد جو حکومت معرض وجود میں آئی اُس میں استاد ربانی صدر اور گلبدین حکمت یار وزیراعظم مقرر ہوئے۔ اُس دور میں یہ اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ طرفین کی افواج تین سال تک آپس میں دست و گریبان رہیں جس کے نتیجے میں کابل کھنڈرات کا شہر بن گیا۔

طالبان نے مختلف نسلی اور لسانی گروہوں کو یک جا کیا اور افغان قوم میں مذہب کی بنیاد پر یک جہتی پیدا کی۔ یہ طالبان حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ طالبان کے جانے کے بعد افغان قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ افغان دانش وروں کا کہنا ہے کہ ''افغانستان کی مثال ایک ٹوٹے ہوئے پیالے کی تھی۔ جب تک یہ پیالہ طالبان کے ہاتھ میں تھا انھوں نے اس کو جوڑے رکھا۔ اُن کے جانے کے بعد یہ پیالہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس کو دوبارہ جوڑنا کرزئی حکومت کے بس کی بات نہیں ہے''۔

حامد کرزئی کے متعلق افغانوں میں ایک عام تاثر ہے کہ ''دیوانہ زندہ خوش است'' (دیوانہ اس پر بھی خوش ہے کہ زندہ ہے)۔ اس وقت کرزئی کی پوزیشن بعینہٖ وہی ہے جو ۱۸۳۹ء میں شاہ شجاع کی تھی۔ پہلی اینگلو افغان جنگ کے نتیجے میں انگریزوں نے اُسے تخت کابل پر بٹھایا تھا۔ انگریزی فوج کا دستہ اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ لیکن زیادہ عرصے تک افغان اس کٹھ پتلی حکمران کو برداشت نہ کر سکے۔ ۱۸۴۲ء میں شاہ شجاع کو انگریز حفاظتی دستے سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ حالات بتا رہے ہیں کہ حامد کرزئی کی پوزیشن شاہ شجاع سے مختلف نہیں ہے اور خطرے کی گھنٹی کسی وقت بھی بج سکتی ہے!

طالبان حکومت ایک نظریاتی حکومت تھی۔ اُن کا دورِ حکومت صرف چار سال تک رہا لیکن ان کے اثرات اب تک قائم ہیں۔ اب بھی عام آدمی کی ہمدردیاں طالبان کے ساتھ ہیں' اس لیے کہ اُن کے دورِ حکومت میں شریعت اسلامی اور قومی روایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی جس کو افغانستان کی ساری اقوام نے سراہا۔

طالبان کے آخری مورچے بھی پشتون علاقے میں تھے۔ ان کو امریکی حملے کے دوران بہت بڑا مالی اور جانی نقصان ہوا۔ اس علاقے میں پنج شیروں کے خلاف نہایت شدید نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں' اس لیے کہ ان کی رائے میں امریکی اُن کی شہ پر آئے دن پشتون ولایتوں پر بم باری کرتے ہیں۔ پنج

شیری تاجکوں کی سرپرستی امریکی حکومت کے ایک اہم منصوبے کا حصہ ہے۔ غالباً پیش نظر یہ ہے کہ پشتون آبادی کو اتنا مجبور اور پریشان کیا جائے کہ وہ خود تاجکوں سے علیحدگی کا مطالبہ کریں۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ افغانستان کو ٹکڑوں میں بانٹنے (balkanization) کے پروگرام کا حصہ ہے۔ اس لیے کہ افغانستان کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہی امریکہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ افغانستان کے ساتھ ملحقہ پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے میں پشتون آباد ہیں۔ ان کے افغانستان کے پشتونوں کے ساتھ قریبی روابط ہیں۔ افغانستان میں کسی قسم کی سیاسی تبدیلی کی وجہ سے سرحدی صوبہ کے پشتون آبادی پر اثرات پڑ سکتے ہیں۔

امریکی عزائم: اس وقت امریکی افغانستان کے بست و کشاد کے مالک ہیں۔ حکومت کی ساری مشینری ان کے اشاروں پر چل رہی ہے۔ کرزئی کابینہ کے کئی وزیر اور مشیر وہ افغانی افراد ہیں جو ۱۵، ۲۰ سال امریکہ میں شہری کی حیثیت سے رہ کر افغانستان میں اپنی ''خدمات'' سرانجام دینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ملکی مسائل کے حل کے لیے کوئی واضح پروگرام نہیں ہے۔ یہ امریکی ایجنڈے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ امریکہ کے نائب وزیر دفاع پال ولفووٹز نے کہا ہے کہ ''امریکی افواج افغانستان میں ایک طویل عرصے تک رہیں گی''۔ افغانستان پر امریکی حملے کے عزائم آہستہ آہستہ منظرعام پر آ رہے ہیں۔ امریکی پٹرولیم کمپنی UNICOL نے وسط ایشیا کے تیل کے ذخائر کو استعمال میں لانے کے لیے جو منصوبہ تیار کیا تھا اُسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ترکمانستان، افغانستان اور پاکستان کے درمیان دولت آباد سے گوادر تک پائپ لائن بچھانے کے معاہدے پر دستخط ہو چکے ہیں۔ یہ بات بھی منظرعام پر آئی ہے کہ پس پردہ امریکہ کرزئی حکومت کو ایسے معاہدے پر مجبور کر رہا ہے جس کے نتیجے میں امریکی حملے اور ''دہشت گردی کے خلاف کارروائی'' کے سارے اخراجات افغانستان کو ادا کرنے ہوں گے۔

طالبان کی حکمت عملی: دوسری طرف، اس وقت امریکی فوج کے خلاف طالبان کی مزاحمت چھاپہ مار جنگ تک محدود ہے۔ اس قسم کی جنگ کے لیے ان کے پاس بے پناہ ہتھیار ہیں جن میں راکٹ میزائل، دستی بم اور روایتی ہتھیار شامل ہیں۔ روسیوں کے خلاف بھی جب مجاہدین مصروف جہاد تھے تو ان کے پاس کوئی بمبار طیارے یا ٹینک نہیں تھے وہ اسی قسم کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ طالبان نے ہر قسم کا اسلحہ مختلف مقامات پر محفوظ کر رکھا ہے۔ ان کو باہر سے کوئی امداد نہ بھی ملے تو وہ ایک طویل عرصے تک چھاپہ مار جنگ لڑ سکتے ہیں۔ افغانستان کا پہاڑی علاقہ اس قسم کی جنگ کے لیے موزوں سرزمین ہے۔ مجاہدین اس کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ انھیں اس علاقے میں روسی افواج کے خلاف ۱۰ سالہ جنگ کا تجربہ بھی ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ ملک کی موجودہ صورت حال جہاد کے لیے بہت سازگار ہے۔ ببرک کارمل اور نجیب اللہ کے دورِ حکومت میں پورے افغانستان پر ان کا تسلط تھا۔ روس کی ۶ لاکھ سے زائد فوج بم بار طیاروں اور ٹینکوں سمیت پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے۔ پورے ملک میں افراتفری ہے۔ کرزئی کی حکومت صرف کابل تک اور امریکیوں کا اثر و رسوخ صرف چند ہوائی اڈوں تک محدود ہے۔ بے گناہ شہریوں پر بم باری' افغان قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک اور عوام کے ساتھ غیر انسانی رویے کی وجہ سے ملک کی بیشتر آبادی امریکیوں کے خلاف ہے اور اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

امریکی ہوائی اڈوں' چھاؤنیوں' اسلحے کے گوداموں' اور فوجی قافلوں پر مجاہدین کے حملے روز مرہ کا معمول ہے جس کی وجہ سے ان کو بہت بھاری جانی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑ رہا ہے۔ بڑی تعداد میں امریکی فوجی واصل جہنم ہو چکے ہیں اور بہت سارے قیدی مجاہدین کے زیرِ حراست ہیں۔

ابتدائی دنوں میں امریکی فوجی چھاپہ مار جنگ کے لیے مجاہدین کے مقابلے میں میدان میں اتر آئے تھے لیکن بھاری جانی نقصان کی وجہ سے وہ میدان سے بھاگ گئے۔ افغان فوج پر بھی اُن کا اعتماد جاتا رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی امریکی فوج کے لیے ہراول دستے کی خدمات میں مخلص نہیں ہیں۔ اب وہ چھاپہ ماروں کا مقابلہ ہوائی حملوں سے کر رہے ہیں جو غیر موثر اور بے سود ثابت ہو رہے ہیں۔ امریکی فوجی جو آرام و راحت اور عیش و عشرت کے عادی ہیں افغانستان میں اپنی ڈیوٹی کو عذاب سمجھتے ہیں اور ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' (war on terror) میں نیم دلی سے حصہ لے رہے ہیں' جب کہ مجاہدین کی نگاہ میں یہ کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے اور وہ اس میں جان کی بازی لگا دینے کو شہادت سمجھتے ہیں۔ مجاہدین کا حوصلہ بلند ہے۔ وہ پرعزم اور پراعتماد ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ''امریکیوں کے خلاف جہاد اتنا ہی طویل ہو سکتا ہے جتنا روسیوں کے خلاف تھا۔ اور جیسے روسیوں کو افغانستان میں شکست ہوئی' پورا کمیونزم نظام دھڑام سے گر گیا' اسی طرح امریکیوں کو بھی یہیں پر ذلت آمیز شکست ہوگی اور یہیں پر سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ ہوگا''۔

الاستاذ فاضل محمد نورؒ

پروفیسر خورشید احمد

بیسویں صدی میں اسلامی احیا کی تحریک نے مشرق اور مغرب کے ہر ملک میں زندگی اور بیداری کی نئی لہر دوڑا دی ہے۔ ہر ملک اور ہر علاقے کی اپنی اپنی خصوصیات اور اپنے اپنے تجربات ہیں لیکن ترکی اور ملایشیا دو ایسے ملک ہیں جہاں تجدید و احیا کی تحریک نے ایمان کو تازہ اور دلوں کو گرما دیا ہے۔

ملایشیا کی اسلامی تحریک کے قائدین سے میرے تعلقات کا آغاز اس وقت ہوا جب میں اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا اور ملایشیا ابھی برطانوی سامراج کی ایک کالونی اور صرف ملایا (Malaya) تھا۔ الاستاذ ابوبکر اس وقت اسلامی پارٹی کے سربراہ تھے اور ان موتمرات میں شریک ہوئے تھے جو قیام پاکستان کے فوراً بعد کراچی میں منعقد ہو رہی تھیں۔ ربط و تعلق کا یہ سلسلہ ۱۹۷۳ء سے بہت گہرا ہو گیا جب طلبہ انجمنوں کے عالمی اسلامی وفاق (IIFSO) اور مسلم نوجوانوں کی عالمی اسمبلی (WAMY) میں ملایشیا کے نوجوان قائد انور ابراہیم نے نمایاں کردار ادا کرنا شروع کیا۔ انور اس وقت وہاں کی نوجوانوں کی تنظیم آبیم (ABIM) کے صدر اور ملایشیا کے افق پر ایک اُبھرنے والے سورج کی مانند تھے۔ ۱۹۷۳ء ہی میں مجھے پہلی مرتبہ ملایشیا جانے اور ان کی پوری ٹیم سے ملنے کا موقع ملا۔ جن حضرات نے پہلی ہی ملاقات میں متاثر کیا ان میں فاضل نور بھی تھے جو اس وقت آبیم کے نائب صدر تھے۔ پھر اس کے صدر بنے۔ ملایشیا کی اسلامی تنظیم اور ایک اہم سیاسی قوت پاس (Parti Islamic Malaysia) کے نائب صدر، رکن پارلیمنٹ، صدر اور بالآخر پارلیمنٹ میں قائد حزب اختلاف منتخب ہوئے اور ۶۵ سال کی عمر میں ۴۲ سال کی سرگرم تحریکی اور سیاسی جدوجہد کے بعد ۲۳ جون ۲۰۰۲ء کو اپنے خالق سے جا ملے اور لاکھوں انسانوں کو سوگوار چھوڑ گئے--- انا للہ وانا الیہ راجعون!

الاستاذ فاضل نور ۱۳ مارچ ۱۹۳۷ء کو ملایشیا کی ریاست کیداہ (Kedah) کے ایک مضافاتی علاقے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ ان کے دادا توان گرو حاجی ادریس الجرمانی ملک کے نامور علما

میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے پوتے کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ ابتدائی تعلیم سرکاری مدرسے میں حاصل کرنے کے بعد ایک دینی مدرسہ مکتب محمود میں دینی تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۹ء تک جامع الازھر قاہرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ واپسی پر کچھ عرصے مکتب محمود ہی میں تدریس کے فرائض انجام دے کر ملک کی مشہور ٹیکنیکل یونی ورسٹی (یو ٹی ایم) میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے جہاں ۱۹۷۸ء تک' جب ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا' یہ خدمات انجام دیتے رہے۔ فاضل نور نے عدالتی چارہ جوئی کی۔ گو کامیاب رہے لیکن پھر یونی ورسٹی کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر ہمہ وقت سیاسی اور تحریکی زندگی میں سرگرم ہو گئے۔ ۱۹۸۰ء میں پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں پاس کے صدر منتخب ہو گئے اور ۱۹۹۹ء میں ان کی قیادت میں پاس کی غیر معمولی کامیابیوں کے بعد جب قومی اسمبلی میں ان کو ۲۷ نشستیں حاصل ہوئیں تو ملک کی پارلیمنٹ میں قائد حزب اختلاف مقرر ہوئے اور ملایشیا کے متوقع وزیراعظم کی حیثیت اختیار کر لی۔ فاضل نور کو دینی اور سیاسی ہر حلقے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کو ایک اصول پسند' محنتی' بالغ نظر اور معتدل سیاسی لیڈر کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے جنازے کے جلوس سے ہوتا تھا جس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی' بار بار نماز جنازہ ادا کرنی پڑی۔ کوالالمپور سے ان کے جسم کو کیداہ میں ان کے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔ مبصرین کی گواہی ہے کہ ملایشیا کی حالیہ تاریخ میں جنازے میں عوامی شرکت کی ایسی مثال نہیں ملتی ؎

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے ابتلا کے دور کے بعد برسراقتدار برخود غلط حکمرانوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ موت کے وقت ہوگا (بینی وبینکم یوم الجنائز)۔ اس تاریخی جملے کے دونوں پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اصل فیصلہ موت کے بعد اللہ کے حضور اور اس کے رد و قبول سے ہوگا لیکن ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خدا کے فیصلے سے پہلے خود خلق موت پر کیسا خراج پیش کرتی ہے۔ فاضل نور کا جنازہ خلق کی طرف سے عقیدت' محبت اور قبولیت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔

الاستاذ فاضل نور قدیم اور جدید دونوں علوم کا مرقع تھے۔ عربی اور انگریزی دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔ گو اپنے رفقاے کار الاستاذ عبدالہادی اوانگ (پاس کے نائب صدر' ریاست ترنگانو کے وزیراعلیٰ اور اب فاضل نور کی جگہ پاس کے صدر) اور الاستاذ نک عزیز (ریاست کلنتان کے وزیراعلیٰ) کی طرح شعلہ بیاں مقرر نہ تھے مگر اپنے خیالات کا اظہار بڑی روانی سے نہایت ٹھنڈے انداز میں اور دلیل کی قوت سے کرتے تھے اور اپنے مخاطبین کو قائل کرنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بڑے نازک موقع پر نوجوانوں کی تحریک آبیم کی

قیادت سنبھالی۔ یہ وہ وقت تھا جب انور ابراہیم نے مہاتیر محمد کی دعوت پر اومنو (Umno) میں شرکت کر لی اور ملایشیا کی اسلامی تحریک ایک اندرونی چیلنج سے دوچار ہوگئی۔ فاضل نور اس وقت آبیم کے نائب صدر تھے اور انور ابراہیم کے دست راست سمجھے جاتے تھے لیکن آبیم کا صدر منتخب ہوکر انھوں نے بڑی حکمت اور توازن سے معاملات کو سلجھایا اور انور کے مخالف اور حامی دونوں حلقوں میں نہ صرف اپنی ساکھ قائم کی بلکہ تحریک کو انتشار اور تقسیم سے بچالیا۔ جب آبیم سے فارغ ہوئے تو سیدھے پاس میں شریک ہوئے اور اس کے نائب صدر اور بالآخر صدر منتخب ہوئے۔ آبیم اور پاس کو ایک دوسرے سے قریب رکھا اور انور ابراہیم جس حکمت عملی پر کاربند تھے اس کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ نہ بنے، گو اپنے اصولی موقف پر قائم رہے اور پاس کو ایک آزاد اور متبادل سیاسی قوت کی حیثیت سے مضبوط تر کرتے رہے۔

خود پاس میں ۱۹۸۰ء کے عشرے میں بڑی اندرونی کش مکش تھی۔ داتو موسیٰ عصری کے دور میں پاس پر ایک طرف ملائی قومیت اور تشخص کا غلبہ رہا تو دوسری طرف برسرِ اقتدار جماعت اومنو سے اشتراک اقتدار کا تجربہ (۱۹۷۸-۷۹ء) ہوا جو خاصا متنازع رہا۔ تجربہ کامیاب نہ ہوسکا اور پھر پاس میں قیادت آہستہ آہستہ علما کے گروہ کو حاصل ہوئی جس میں الاستاذ عبدالہادی اوانگ اور ان کے رفقا کا بڑا کردار تھا۔ فاضل نور اسی مکتب فکر سے وابستہ تھے۔ بالآخر پارٹی کی قیادت پھر علما کو حاصل ہوئی۔ الاستاذ یوسف روا صدر بنے اور فاضل نور نائب صدر۔ یہ قیادت مسلسل محنت اور دعوت اور خدمت کے ذریعے پاس کو سیاست کے قومی دھارے میں لانے میں کامیاب ہوئی۔ پہلے کلنتان کی ریاست میں کامیابی حاصل ہوئی اور پھر ترنگانو میں، اور ۱۹۹۹ء میں مرکزی پارلیمنٹ میں ۲۰ فی صد نشستیں جیت کر پاس اصل حزب اختلاف بنی۔ چونکہ یہ انتخاب متبادل فرنٹ کے نام پر لڑا گیا تھا اس لیے سب کو ساتھ لے کر چلے اور فاضل نور قائد حزب اختلاف منتخب ہوئے۔

الاستاذ فاضل نور کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ۳۰ سال کے دوران ان سے درجنوں ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ علمی، انتظامی، سیاسی، اختلافی غرض ہر طرح کے امور پر دل کھول کر بات چیت کے مواقع ملے ہیں۔ میں نے ان کو ایک سلجھا ہوا انسان پایا۔ علمی حیثیت سے باوقار، سیاسی اعتبار سے متوازن اور صلح جو، اصول کے معاملے میں جری اور ثابت قدم لیکن سیاسی اور شخصی دونوں میدانوں میں ٹھنڈے اور معتدل۔ دوسرے کے نقطۂ نظر کو سننے، سمجھنے اور اس کا احترام کرنے والے اور تصادم کے مقابلے میں تعاون اور اختلاف کے باوجود متفق علیہ معاملات میں اشتراک کی روش اختیار کرنے والے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس نے تصادم سے بھرپور سیاسی فضا میں ان کو تعاون اور قدرِ مشترک کے متلاشی قائد کا مقام دیا۔ وہ جوڑنے

والے تھے' کاٹنے والے نہیں' سعدی کے انسان مطلوب کا ایک عملی نمونہ:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

انور ابراہیم کے او مـنو میں جانے اور پھر مہاتیر محمد کے غضب اور انتقام کا نشانہ بن کر طوق وسلاسل کے اسیر بننے کے دونوں ادوار میں فاضل نور نے بڑی حکمت' معاملہ فہمی' توازن و اعتدال' حقیقت پسندی' اصولوں سے وفاداری مگر شخصی معاملات میں احترام اور تعلق خاطر کے اہتمام کی بڑی اعلیٰ اور روشن مثال نہ صرف یہ کہ قائم کی بلکہ پوری تحریک اور دوسری سیاسی جماعتوں کو بھی اس راہ پر لانے اور قائم رہنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ یہ ان کا خلوص اور قائدانہ صلاحیت ہی تھی جس نے ملایشیا کی اسلامی تحریک اور پوری قوم کو انصاف اور اعتدال کے راستے پر رکھا۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ''انصاف سب کے ساتھ ضروری ہے' سیاسی اتفاق اور اختلاف کو انصاف کے تقاضوں کو متاثر کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی''۔

الاستاذ فاضل نور کی خدمات بے شمار ہیں لیکن یہ ان کا منفرد کارنامہ ہے کہ پـاس میں علما کی قیادت کے غلبے کے باوجود انھوں نے تحریک کو قدیم و جدید کی جنگ سے بچا لیا اور سب کو ساتھ لے کر چلے اور جماعت میں وحدت' یک رنگی اور اعتماد باہمی کی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ملایشیا کی سیاست میں ایک نازک مسئلہ ملائی شناخت (Malay Identity) کا ہے۔ ایک کروڑ ۱۰ لاکھ کی آبادی کے اس ملک میں ملائی شناخت کے لوگ بمشکل ۵۴ فی صد ہیں۔ چینی شناخت کے لوگوں کی تعداد ۳۰' ۳۵ فی صد ہے اور باقی کا تعلق ہندستان سے آنے والوں سے ہے جن میں ۹۰ فی صد ہندو یا سکھ ہیں۔ اس طرح تین بڑی قومیتیں اور پانچ بڑے مذہب اسلام' عیسائیت' چین کا روایتی مذہب' ہندومت اور سکھ ازم یہاں پائے جاتے ہیں۔

ملائی شناخت والے لوگ ۱۰۰ فی صد مسلمان ہیں اور شروع میں پـاس کی شناخت صرف ملائی تھی۔ پھر اس کا ہدف اسلام کا اجتماعی نظام ہے۔ اس بنا پر قومی شناخت کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہوگیا تھا۔ الاستاذ یوسف روا اور پھر خاص کر الاستاذ فاضل محمد نور کے دور میں پـــــاس اسلامی شناخت اور ملائی آبادی سے انصاف کے ساتھ باقی قومیتوں سے بھی قریب آئی ہے اور ایک قومی سیاسی قوت بن کر اُبھری ہے۔ آج بھی شریعت سے وفاداری' اسلامی نظام کا قیام اور باقی تمام قومیتوں سے انصاف اور ان کے ساتھ شرکت اقتدار کے نازک ہدف کو حاصل کرنے کے لیے پاس سرگرم عمل ہے۔ جن دو ریاستوں میں اسے حکمرانی کا اختیار حاصل ہے ان میں اس نے سب کو ساتھ لے کر چلنے اور اپنے اصولوں پر قائم رہنے کی بڑی روشن مثال قائم

کی ہے۔ یہ فاضل نور کا وہ کارنامہ ہے جو ملایشیا کے مستقبل کی صورت گری کے لیے ایک تاریخی عمل کی حیثیت سے جاری و ساری رہے گا اور صرف پـــاس اور ملایشیا ہی نہیں، پوری اسلامی دنیا کے لیے ایک اچھا نمونہ بنے گا۔ میں تحدیث نعمت کے طور پر یہ ذکر کر رہا ہوں کہ خود مجھے، الاستاذ یوسف قرضاوی، الاستاذ راشد غنوشی اور دوسرے ساتھیوں کو اس حکمت عملی کے دروبست سنوارنے میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے اور یہ سب الاستاذ فاضل نور، الاستاذ عبدالہادی اوانگ، مصطفیٰ علی اور نصرالدین جیسے ساتھیوں کی بالغ نظری اور معاملہ فہمی کی وجہ سے ممکن ہوا۔ ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاء۔

الاستاذ فاضل نور صرف ملایشیا ہی نہیں پوری اُمت مسلمہ اور انسانیت کے خادم تھے۔ فلسطین، کشمیر، بوسنیا، شیشان، کوسووا، منڈانو، پٹانی غرض جہاں بھی مسلمان آزادی، حقوق اور اسلامی اقدار کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں اس میں استاذ فاضل نور کا وزن ہمیشہ اُمت کے پلڑے میں رہا اور اُمت کے ہر غم میں وہ برابر کے شریک رہے۔ افغانستان پر امریکہ کی بم باری، فلسطین میں اسرائیلی مظالم اور کشمیر میں بھارت کی مسلم کُشی کو وہ انسانیت کے خلاف جرائم قرار دیتے تھے اور امریکہ کے حالیہ عالمی کردار پر سخت گرفت کرنے والوں میں سے تھے۔

یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ جون ۲۰۰۲ء کے دوسرے ہفتے میں لسٹر میں اسلامک فاؤنڈیشن کی ایک کانفرنس میں عالم اسلام کے چند بہی خواہ ایک اہم علمی اجتماع میں شریک تھے جس میں ملایشیا سے محترم مصطفیٰ کمال اور نصرالدین (پـــاس کے بین الاقوامی امور کے سربراہ اور سیکرٹری جنرل وارکان پارلیمنٹ) شریک تھے۔ اس اجتماع کے بعد ہم سب کو ہالینڈ ایک دوسرے اجتماع میں جانا تھا کہ یہ خبر آئی کہ الاستاذ فاضل نور کے دل کا آپریشن ہوا ہے جو پوری طرح کامیاب نہیں رہا۔ مصطفیٰ علی اور نصرالدین فوراً کوالالمپور کے لیے روانہ ہو گئے اور میں روزانہ ان سے جناب فاضل نور کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ دو ہفتے زندگی اور موت کی کش مکش میں رہنے کے بعد ملایشیا کی اسلامی تحریک کا یہ سربراہ اور ہمارا عزیز دوست اور بھائی، الاستاذ فاضل نور ۲۳ جون ۲۰۰۲ء کو اس جہان فانی سے ابدی زندگی کی طرف لوٹ گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور خدمات کو قبول فرمائے، ان کی بشری کمزوریوں اور لغزشوں کو معاف فرمائے، ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جنت کے اعلیٰ مقامات سے نوازے، اور اُمت کو ان جیسے خادمانِ دین سے نوازے جو حلقہ یاراں میں رحماء بینھم اور معرکہ حق و باطل میں فولاد کا کردار ادا کریں۔ آمین!

میرے لیے ان کی وفات ایک ذاتی سانحہ ہے اور پوری اُمت مسلمہ کے لیے ایک عظیم خسارہ۔

انا لله وانا اليه راجعون!

ڈاکٹر مانع بن حماد الجہنیؒ

عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت

محمود عالم○

عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت' ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) ' ریاض کے سیکرٹری جنرل اور مملکت سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے ممبر ڈاکٹر مانع بن حماد الجہنیؒ ۴ اگست ۲۰۰۲ء بروز اتوار صبح ساڑھے سات بجے ریاض ایئرپورٹ جاتے ہوئے کار کے حادثے میں انتقال کر گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون--- ان کی موت عالم اسلام کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ ان کے اُٹھ جانے سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو فوری طور پر پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ اس خلا کو پُر کرنے کا ساماں فرمائے۔

شیخ مانع الجہنیؒ ۱۹۴۳ء میں حجاز میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں انھوں نے الیکٹرونک انجینیرنگ میں کئی ٹیکنیکل سرٹیفکیٹس حاصل کیے۔ پھر طائف اسکول میں شام کی کلاسوں میں داخلہ لیا اور وہاں سے سیکنڈری اسکول کا امتحان پاس کیا اور پورے ملک میں اول آئے۔ ۱۹۷۲ء میں ریاض یونی ورسٹی سے انگریزی زبان و ادب میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۶ء میں انڈیانا یونی ورسٹی' امریکہ سے ایم اے (انگریزی) کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۸۲ء میں وہیں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۳ء تک کنگ سعود یونی ورسٹی ریاض کے شعبہ انگریزی میں اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک اسی شعبے میں ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدے پر کام کیا۔

ڈاکٹر مانع کو ابتدا ہی سے طلبہ کے معاملات سے دل چسپی رہی اور وہ متعدد طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیموں کے ممبر اور صدر رہے۔ ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۶ء تک وہ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے اسسٹنٹ

○ لائبریرین' ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ' ریاض

سیکرٹری جنرل رہے۔ ۱۹۸۷ء سے اس کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ۱۹۹۷ء میں وہ سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے۔ انتقال کے وقت تک وہ ان دونوں عہدوں پر فائز تھے۔

ڈاکٹر مانع نے بحیثیت سیکرٹری جنرل 'وامی' کے کاموں کو بڑی وسعت دی۔ ملک اور بیرون ملک میں اس کے متعدد علاقائی دفاتر قائم کیے۔ مسلم طلبہ اور نوجوانوں کو اسلامی دعوت اور خدمت خلق کے کام میں متحرک کرنے کے لیے متعدد بار پوری دنیا کے دورے کیے۔ متعدد اسلامی تنظیموں نے 'وامی' کی ممبرشپ اختیار کی، جن میں طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیمیں خاص ہیں۔ اس سے وابستہ تنظیموں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ باضابطہ ممبر تنظیموں کی تعداد ۴۵۵ ہے۔

ڈاکٹر مانع کو اُمت مسلمہ کے مسائل سے خصوصی دل چسپی رہی۔ مسلمان جہاں کہیں اقلیت میں ہیں ان کے معاملات میں وہ گہری دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ 'وامی' کی چھٹی عالمی کانفرنس ''الاقلیات المسلمہ'' کے موضوع پر ریاض میں ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کے تعلیمی، اقتصادی، ثقافتی اور تہذیبی مسائل زیر بحث آئے۔ مسلم اقلیت پر مظالم کو دیکھ کر ان کا دل بے چین ہو جاتا تھا۔ بوسنیا، چیچنیا، کوسووا، برما، کشمیر اور افغانستان اور جہاں کہیں مسلمانوں پر مصیبت آئی ڈاکٹر مانع نے بروقت اس کی طرف مسلم دنیا کی توجہ مبذول کرائی اور فوراً ایک کمیٹی تشکیل دے کر ریلیف کا کام شروع کروایا۔ عالم اسلام کے خلاف جب بھی کوئی سازش ہوئی، اس کو بے نقاب کرنے میں سب سے پہلا بیان ڈاکٹر مانع ہی کا ہوا کرتا تھا۔ وہ نہایت جرأت مند قائد تھے اور حق بات کہنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔

اقوام متحدہ کی طرف سے جب بھی ایسی عالمی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں اسلامی تہذیب و روایات کے خلاف تجاویز پاس کی گئیں تو اس کی مخالفت میں سب سے پہلی اور سب سے مؤثر آواز ڈاکٹر مانع ہی کی بلند ہوتی۔ عالم گیریت اور ''نیا عالمی نظام'' کے تحت اسلام اوز اسلامی تہذیب کے خلاف کچھ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تو اسلام کی مدافعت کے لیے سب سے پہلے وہی سامنے آئے۔ ڈاکٹر مانع کی سب سے نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ عالم اسلام کے حالات سے باخبر رہتے تھے اور بوقت ضرورت فوراً مؤثر کارروائی شروع کر دیتے تھے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر انگریزی ادب کے اسکالر تھے لیکن تنظیمی امور میں ان کو خاص مہارت حاصل تھی۔ وہ تقسیم کار کے سائنٹیفک اصول پر عمل کرتے تھے۔ تمام اہم شعبوں کی نگرانی کے لیے انھوں نے الگ الگ کمیٹی بنادی تھی اور وہ صرف اس کی سرپرستی کرتے تھے۔ ان کی نگاہ بہت ہی دُور رس تھی۔ ان ممالک میں جہاں مسلمان اکثر ناخواندہ ہیں اور غربت و افلاس کا شکار ہیں، عیسائی مشنریاں میڈیکل ریلیف کے نام پر مسلمانوں کو نصرانی بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر مانع نے مسلم ڈاکٹروں کی

کمیٹی بنائی تاکہ اس میدان میں وہ ریلیف پہنچائیں اور اپنا داعیانہ کردار ادا کریں۔ عالم اسلام کو جن سنگین حالات کا سامنا ہے وہ نہ صرف ان کو خوب سمجھتے تھے بلکہ مسلم دنیا اور بالخصوص مسلم نوجوانوں کو ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بھی کرنا چاہتے تھے۔ 'وامی' کی آٹھویں بین الاقوامی کانفرنس کا موضوع بھی یہی تھا۔ عالم گیریت کے نام پر عالم اسلام کو جن نئے خطرات کا سامنا ہے ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے 'وامی' کی نویں عالمی کانفرنس کا انعقاد اسی موضوع پر اکتوبر میں ہونا طے پایا ہے۔

فلسطین کے مسئلے سے ان کو خاص دل چسپی تھی۔ القدس کے لیے وہ برابر آواز بلند کرتے رہے اور علمی، فکری اور عملی سطح پر ہر ممکن تعاون اہل انتفاضہ سے کرتے رہے۔ مجلہ المستقبل الاسلامی میں ان کے بیانات اور مضامین اس کی شہادت دیتے ہیں۔ یہی معاملہ کشمیر کے مسلمانوں کی جنگ آزادی سے تھا۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ہندستانی مسلمانوں کے مسائل سے بھی وہ غافل نہیں رہے۔ موجودہ حکومت نے جب درسی کتابوں میں تاریخی حقائق کا چہرہ مسخ کرنا شروع کیا تو ڈاکٹر مانع نے اس کا سخت نوٹس لیا اور حکومت ہند کو اس علمی بددیانتی کی طرف توجہ دلائی۔ ہندستان اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے مسائل میں ان کی غیرمعمولی دلچسپی ہی تھی کہ انھوں نے حالات ناسازگار ہوتے ہوئے بھی 'وامی' کا علاقائی دفتر دہلی میں قائم کیا۔

ڈاکٹر مانع کا معمول تھا کہ وہ ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ تقریباً تمام عربی اور انگریزی روزناموں پر ایک طائرانہ نظر ضرور ڈالتے تھے۔ ان خبروں کو خاص طور پر پڑھتے تھے جو 'وامی' کے شعبہ بیرونی تعلقات اور انفارمیشن سیکرٹری یا کسی شعبے کے سیکرٹری نشان زد کر کے ان کے پاس بھیجتے تھے۔ ان کے پاس دفتری امور سے متعلق جتنے معاملات اور کاغذات پہنچتے تھے وہ روزانہ ان کو نپٹا دیا کرتے تھے خواہ اس کے لیے ان کو رات کے ۱۲ بجے تک رکنا پڑے یا دوپہر کا کھانا عصر کے وقت کھانا پڑے۔

کتب بینی ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ریسرچ میگزین اور کتابوں سے ان کی دل چسپی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں ۱۵ ہزار سے زائد کتابیں ہوں گی۔ جن کتابوں کی راقم الحروف نے ترتیب و درجہ بندی کر کے ان کی فہرست کمپیوٹر کی مدد سے تیار کی تھی ان کی تعداد ۱۱ ہزار ۳ سو ۵۵ ہے۔ گذشتہ پانچ برسوں میں ان میں جو اضافہ ہوا وہ ان کے علاوہ ہے۔ سال میں ۲۵، ۳۰ مرتبہ بیرون ملک کا دورہ ہوتا تھا اور ہر دورے سے واپسی کے وقت ان کے ساتھ دو تین کارٹن کتابوں کے ضرور ہوا کرتے تھے۔ کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق ''عشق'' کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی نہایت عمدہ دیا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ ذہنی و فکری سطح بھی نہایت بلند تھی۔ کئی کتابوں کا انھوں نے ترجمہ کیا اور متعدد مضامین اور کتابیں

خود بھی لکھیں۔ سیمی نار اور کانفرنس کے مقالات اور ریڈیائی خطبات کی تعداد سیکڑوں میں ہوگی۔ یہ سب چیزیں 'وامی' کی آرکائیو میں محفوظ ہیں۔ ان کی تین کتابوں کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ۱- اسلامی بیداری مستقبل کے تناظر میں (ترجمہ: مظہر سید عالم)' ۲- اسلام اور امن عالم' ۳- تضامن اسلامی اور مملکت سعودی عرب (ترجمہ: ڈاکٹر محمد سمیع اختر)۔

وہ نہایت خوش مزاج اور خوش اخلاق انسان تھے' عربوں کی مہمان نوازی اور خوش اخلاقی اور اسلامی روایات کے وہ امین تھے۔ راقم الحروف کو بارہا ان کے گھر پر ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ چائے کی ٹرے خود اُٹھا کر لاتے اور خود سے چائے بنا کر پیش کرتے۔ پیالی خالی بھی نہیں ہو پاتی تھی کہ دوسری بنا دیتے۔ یہ خوش اخلاقی ان کے سبھی بچوں اور تمام اہل خانہ میں پائی جاتی ہے۔

کفایت شعاری' سادگی' تواضع اور خاکساری ان کے مزاج کا خاصہ تھیں۔ ایک بار 'وامی' کی مسجد میں رحل بے ترتیب رکھے ہوئے تھے۔ کئی لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے جن سے وہ ان کو ترتیب سے رکھنے کے لیے کہہ سکتے تھے لیکن انھوں نے کسی کو حکم دینے کے بجائے خود ہی یہ کام انجام دیا۔ اور ایسا اکثر کرتے تھے کہ کسی کام کا دوسروں کو حکم دینے کے بجائے خود ہی آگے بڑھ کر' کر ڈالتے۔ ایک مرتبہ جب شروع شروع میں لائبریری کی کتابوں کی ترتیب کا کام چل ہی رہا تھا' وہ تشریف لائے' ایک شیلف میں کتابیں ابھی بے ترتیب رکھی تھیں' خود کھڑے کھڑے ترتیب دی اور بغیر کچھ کہے چلے گئے۔ اسٹیشنری کے استعمال میں عام طور پر اہل عرب فضول خرچی کرتے ہیں اور اوراق برباد کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر مانع کو میں نے اس معاملے میں بڑا محتاط پایا۔ وہ ایک ورق کاغذ بھی برباد نہیں کرتے تھے۔ ٹیوب لائٹ بلاوجہ جلتی ہوئی دیکھتے تو خود بجھا دیتے۔ جب تک دل کا آپریشن نہیں ہوا تھا مزدوروں اور کارکنوں کے ساتھ بھاری بوجھ اٹھانے میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

خاکسار کا معمول ہے کہ کہیں کوئی اخبار کا ٹکڑا جس پر اللہ کا نام یا قرآنی آیت کے ہونے کا امکان ہو' اسے بڑی حفاظت سے اُٹھا کر کبھی اپنی جیب میں یا پھر ایسی اُونچی جگہ رکھ دیتا ہے جہاں وہ محفوظ رہے۔ ایک بار جب میں ان کی ذاتی لائبریری کو ترتیب دے رہا تھا تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جو کتابیں مکرر (duplicate) ہیں ان کو ایک جگہ الگ کر دوں۔ میں نے مکرر کتابوں کو ایک جگہ ٹیبل پر رکھنا شروع کیا۔ قرآن پاک کے کچھ نسخے بھی مکرر تھے جو معمولی کاغذ پر چھپے ہوئے خستہ حال تھے۔ میں نے ان نسخوں کو بھی ان مکررات کے ساتھ رکھ دیا۔ میں بھول گیا کہ یہ عام کتاب نہیں ہے بلکہ قرآن مجید ہے۔ ڈاکٹر مانع آئے تو قرآن پاک کے ان نسخوں کو وہاں سے اُٹھا کر الماری میں سب سے اُونچے شیلف میں سجا دیا۔ زندگی

میں پہلی بار اپنے قد کے چھوٹے ہونے کا احساس شدت سے ہوا۔

راقم الحروف نے ان کو خوش مزاج اور خوش اخلاق پایا۔ 'وامی' کے اسٹاف سے وہ دوستانہ ماحول میں نہایت نرم لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ طبیعت میں مزاح کا پہلو بھی تھا۔ ایک بار کتابوں کو ترتیب دیتے وقت ایک کتاب میں سونے کی ایک چوڑی ملی۔ میں نے اس کو میز پر رکھ دیا۔ دیکھا تو فرمایا کہ ''محمود' یہ تمھاری تو نہیں ہے؟''

جب بھی سفر پر جاتے میں ان کی خیر و عافیت سے واپسی کے لیے دعائیں کرتا' یہاں تک کہ وہ لوٹ آتے۔ ''اے اللہ! ان کی ہر چیز میں برکت دے'' یہ تو ان کے حق میں میری مستقل دعا تھی۔ انتقال کے دن بھی فجر کی نماز کے بعد ان کے حق میں یہی دعا کی تھی۔ خبر پرانی ہوگئی لیکن یقین نہیں آتا۔ دل کہتا ہے ایسے انسان کو مرنا نہیں چاہیے لیکن قدرت کا فیصلہ اٹل ہے۔ دل اُداس ہے' آنکھیں اشک بار ہیں لیکن زبان سے ہم وہی کہیں گے جس کی تعلیم حضور اقدسؐ نے دی ہے: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون!

اخبار اُمت

سعودی امریکی تعلقات نازک موڑ پر

عزیر صالح

امریکہ کے ممتاز تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن کی طرف سے پینٹا گون کو دی جانے والی بریفنگ میں سعودی عرب کو امریکہ کے دشمن ملک کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور سفارش کی گئی ہے کہ اسے دہشت گردی کی پشت پناہی سے روکنے کے لیے الٹی میٹم دیا جائے۔ واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۰ جولائی ۲۰۰۲ء کو رینڈ کارپوریشن کے تجزیہ نگار لارینٹ موریوک نے ڈیفنس پالیسی بورڈ کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا: ''سعودی شہری دہشت گردی کے پورے سلسلے سے منسلک ہیں۔ منصوبہ سازوں سے لے کر مالی معاونت کرنے والوں' اعلیٰ تنظیمی عہدے داروں سے عام کارکن اور نظریہ سازوں سے جوش دلانے والے رہنماؤں تک سعودی عرب میں اس سلسلے کی ہر کڑی متحرک ہے---سعودی عرب ہمارے دشمنوں کی مدد کرتا ہے اور ہمارے اتحادیوں پر ضرب لگاتا ہے---سعودی عرب برائی کا منبع ہے' وہ سب سے بڑی متحرک قوت ہے اور مشرق وسطیٰ میں ہمارا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔ رپورٹ میں امریکہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر سعودی عرب امریکہ کے مطالبات پورے نہ کرے تو سعودی تیل کے چشموں اور بیرون ملک اس کے اثاثوں کو نشانہ بنایا جائے''۔

کہا جاتا ہے کہ خلیجی جنگ کے بعد امریکہ اور سعودی عرب نے باہمی تعلقات کا ہنی مون منایا ہے اور ہنی مون ختم ہو کر ہی رہتا ہے چاہے وہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو۔ ایک سعودی ڈپلومیٹ کا کہنا ہے کہ ہم نے امریکہ کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی بہت قیمت ادا کی ہے جب کہ اسرائیل ان کو تباہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے لیے ماحول سازگار ہو جائے۔

ساڑھے چار ہزار امریکی فوجیوں کی سعودی عرب میں موجودگی --- مسئلہ فلسطین --- عراق کا

مستقبل--- سعودی عرب کے ایران کے ساتھ بڑھتے ہوئے تعلقات--- یہ وہ امور ہیں جن پر سعودی عرب اور امریکہ کے درمیان اختلاف رائے میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس سب کچھ پر مستزاد یہ کہ ۱۱ستمبر کے بعد سعودی عرب کو دہشت گردی کا اصل سرپرست قرار دیا جا رہا ہے۔ سعودی عرب کے تعلیمی نظام کو دہشت گردی کی نرسری کہا جا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عالمی تجارتی مرکز پر حملہ آور ۱۹ افراد میں سے ۱۵ سعودی شہری تھے اور سعودی عرب کے دہشت گرد ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔

۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ کے علاوہ تعلقات کی ۷۰ سالہ تاریخ میں دونوں ملکوں کے درمیان اتنی کشیدگی کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ خلیجی جنگ کے بعد امریکی حکام اور تجزیہ نگاروں کا یہ تاثر تھا کہ کٹھ پتلی کی طرح سعودی عرب وہی کرے گا جو امریکہ چاہے گا لیکن افغان جنگ نے حالات کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ ۱۱ستمبر کے بعد امریکہ عرب دنیا کی صرف حمایت ہی نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کے مطالبات کا دائرہ سعودی عرب کی سیاسی، دینی اور نظریاتی بنیادوں تک بڑھ گیا ہے۔ ۷۰ سال کے طویل عرصے پر محیط امریکی سعودی تعلقات میں آج جو شگاف دکھائی دے رہے ہیں ان کے اسباب میں سب سے اہم امریکی میڈیا، یہودی لابی اور وہ حکومتی حلقے ہیں جو ان تعلقات کو حسد و بغض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

نیویارک ٹائمز کی ۱۲دسمبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں تھامسن فریڈمین سعودی نظام تعلیم کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتا ہے: ''دینی مدارس اور دینی ادارے وہ مراکز ہیں جہاں سے دہشت گردوں کی قیادت اٹھتی ہے۔ اس لیے دہشت گردی کے ان چشموں کو خشک کرنا ہوگا۔ یہ نظام تعلیم یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کو ہوا دیتا ہے اور ان کے خلاف لڑائی پر اکساتا ہے۔''

امریکی سینیٹ کی امور خارجہ کمیٹی کے سربراہ سینیٹر جوزف بیڈن ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو کہتا ہے کہ: ''اب وقت آ گیا ہے کہ سعودی عرب کو خبردار کر دیا جائے کہ وہ دنیا میں متشدد دینی مدارس کی پشت پناہی چھوڑ دے کیونکہ سعودی جن مدارس کی سرپرستی کرتے ہیں ان میں امریکیوں کے خلاف نفرت کے جذبات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ امریکہ کو چاہیے کہ وہ سعودی عرب پر واضح کر دے کہ وہ ان سرگرمیوں سے باز رہے ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔''

امریکی حکام اور اسلام دشمن صہیونی لابی نے سعودی عرب کے خلاف اس مہم میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۱دسمبر ۲۰۰۱ء کو امریکی یہودی تنظیموں کے رہنماؤں کے ساتھ ملاقات میں صدر جارج ڈبلیو بش نے سعودی عرب کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ ''سعودی عرب ایک غیر جمہوری ملک ہے، جب کہ اسرائیل اس خطے کا واحد جمہوری ملک ہے۔ ایریل شیرون منتخب وزیراعظم ہے اور سعودی قیادت غیر جمہوری ہے''۔

امریکی حکام اس بات کو بھی نہیں بھولے کہ سعودی عرب ہی نے طالبان کے نظام کو بنایا اور ۱۹۹۹ء کے آغاز سے ۲۰۰۰ء کے وسط تک پاکستان اور افغانستان کو یومیہ ڈیڑھ لاکھ بیرل تیل مفت فراہم کیا جس کی وجہ سے افغانستان خانہ جنگی کے زمانے میں مضبوط ہوا اور شاید تیل کی بعض مقدار کو بیچ کر طالبان کو مسلح کیا گیا۔ مشہور سعودی علماے دین کے بیانات بھی اہم ہیں جیسا کہ شیخ حمود بن عقلہ الشعیبی نے طالبان کی واضح حمایت کی اور امریکہ کو کافر کہتے ہوئے یہود و نصاریٰ کے ساتھ تعاون کو حرام قرار دیا۔

سعودیہ پر امریکہ کا ایک اور الزام یہ ہے کہ ۲۵ ہزار سے زائد سعودی باشندوں نے اسلام کی خاطر بوسنیا' چیچنیا اور افغانستان کی جنگ میں حصہ لیا۔ لندن میں مقیم ایک سعودی منحرف سعد الفقیہ کہتا ہے کہ ان میں سے اکثر نے وطن واپس آکر اسلامی جماعتوں کے لیے چندہ جمع کیا اور جنگجو تیار کیے۔

سعودی حکومت نے علماے دین کی جہاد اور افغانیوں کی مدد کرنے کی اپیلوں کو مفتی سعودیہ کے رسمی بیانات کے ذریعے اپنے تئیں روکنے کی کوشش کی۔ بعض علما اور مفتی سعودیہ نے غیر مسلموں کے قتل کو حرام قرار دیا ہے۔ اس بات کو فنانشل ٹائمز نے ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کی اشاعت میں "سعودی حکام بمقابلہ جہادی اپیل" کے عنوان سے لکھا۔ ایک حیرت انگیز بات امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان کی طرف سے یہ سامنے آئی ہے کہ سعودی آئمہ اور خطبا کے لیے ۵ ملین ڈالر کی رقم مختص کی گئی ہے تاکہ وہ اسلام کی "صحیح تعریف" پیش کریں۔ اور مسلمانوں کو "صحیح تعلیم" دیں۔ اسرائیل ان عرب ممالک پر جن کے ساتھ اس کے معاہدے ہوئے ہیں دباؤ ڈال رہا ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان قرآنی آیات کی تلاوت نہ کی جائے جن میں یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ قرآن و حدیث جو کہ تمام اسلامی تعلیمات کا منبع و سرچشمہ ہیں ان کے بارے میں یہاں تک کہا جا رہا ہے کہ یہ دہشت گردی پر اکساتے اور نفرت کو ہوا دیتے ہیں۔ قرآن کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ (المائدہ ۵:۵۱) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو' یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انھی میں ہے) کو دلیل بناتے ہوئے مذہبی پیشوا ہیرف کہتا ہے کہ "اسلام تشدد کی دعوت دیتا ہے"۔

اسی دباؤ کے نتیجے میں یہ بازگشت سنائی دے رہی ہے کہ سعودی عرب اور بعض دیگر عرب ممالک میں نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کے بارے میں نئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کی ۷ جنوری ۲۰۰۲ء کی رپورٹ کے مطابق سعودی وزیر مذہبی امور الشیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ نے بند اجلاس میں آئمہ اور خطبا کی اصلاح پر زور دیا ہے۔

سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ' جو ملک فہد کی بیماری کی وجہ سے سعودی عرب کے حقیقی فرمانروا ہیں' نے سعودی عرب کے خلاف اس امریکی مہم کو اسلام کے خلاف بغض و حسد پر مبنی قرار دیا۔ سعودی عرب کا اپنے حلیف ملک امریکہ کے خلاف حالیہ موقف ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد کی بات نہیں بلکہ اس کا آغاز ایریل شیرون کے اقتدار سنبھالنے کے بعد سے ہوگیا تھا۔ یہ سخت موقف اس وقت واضح ہوکر سامنے آیا جب اگست ۲۰۰۱ء میں فلسطینی علاقوں میں اسرائیل کی وحشیانہ کارروائی پر امریکہ نے خاموشی اختیار کی۔ شہزادہ عبداللہ نے اسرائیل کی جانب داری پر امریکہ کو بار بار متنبہ کیا اور بالآخر اپنا مجوزہ دورہ امریکہ اور صدر بش سے ملاقات کا پروگرام منسوخ کردیا۔

سعودی ترجمان کے مطابق فلسطین کے خلاف وحشیانہ اسرائیلی جارحیت کی وجہ سے سعودی اعلیٰ فوجی افسر نے اگست ۲۰۰۱ء میں اپنا وہ مجوزہ دورہ امریکہ منسوخ کردیا جس میں دونوں ممالک کے مابین فوجی تعاون پر بات چیت ہونا تھی۔ وال سٹریٹ جرنل ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں' سعودی پیغام (۲۷ اگست ۲۰۰۱ء) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ '' سعودی عرب نے بش انتظامیہ کو متنبہ کردیا ہے کہ فلسطینیوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت کو روکنے میں واشنگٹن کی ناکامی سعودیہ کو امریکہ کے ساتھ تعلقات کے بارے میں نظرثانی کرنے پر مجبور کردے گی''۔

۱۲ اگست ۲۰۰۱ء کو سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے امریکہ کی طرف سے اسرائیل کی اندھی حمایت پر شدید غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: '' وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور سعودیہ دوراہے پر کھڑے ہیں اور امریکہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مخلص دوستوں کا انتخاب کرے''۔ انھوں نے جارج ڈبلیو بش کو سخت لہجہ میں کہا: '' قوموں کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب وہ ایک دوسرے سے جدا ہوجاتی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ امریکہ اور سعودیہ اپنے اپنے مفادات دیکھیں۔ وہ حکومتیں جو اپنی عوام کی نبض کو نہیں پہچانتیں اور ان کے ساتھ ہم آہنگی کا مظاہرہ نہیں کرتیں ان کا حشر وہ ہوگا جو شاہ ایران کا ہوا''۔

شہزادہ عبداللہ کا یہ پیغام ہر باشعور اور غیرت مند سعودی کے جذبات و احساسات کی ترجمانی ہے۔ کوئی بھی سعودی شہری یہ نہیں چاہتا کہ امریکہ سعودیہ تعلقات امریکی بالادستی پر قائم ہوں اور یہ بھی نہیں چاہتا کہ یہ تعلقات دوستی سے دشمنی میں تبدیل ہو جائیں بلکہ اس کی خواہش ہے کہ امریکہ کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت وہی ہو جیسی دوسرے ممالک' یعنی جاپان' جرمنی وغیرہ کے ساتھ ہے۔ جس میں سعودی مفادات کو اولیت دی جائے لیکن امریکہ کا اسرائیل کے بارے میں موقف دوستی کے رشتے کو ختم کر رہا ہے۔ پھر ۱۱ ستمبر کے بعد سیکڑوں سعودی باشندوں سمیت ۱۷ ہزار عرب اور غیر عرب مسلمانوں کی گرفتاری جیسے

اقدامات نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے اور ان میں سے ابھی بیسیوں سعودی شہری جیلوں میں ہیں۔ ۶ ہزار عرب اور غیر عرب مسلمانوں پر امریکی امیگریشن قوانین کی خلاف ورزی کا الزام ہے اور ان کو زبردستی امریکہ سے نکالا جا رہا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم تارکین وطن بھی امریکہ میں موجود ہیں لیکن ان کے خلاف کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں ہو رہی۔

اگر سعودی عوام کا ردعمل دیکھا جائے تو ہر کس و ناکس، مرد و زن، اساتذہ و طلبہ حتیٰ کہ سیاستدان تک اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ امریکہ کا معاشی بائیکاٹ کیا جائے۔ سعودی عوام چاہتے ہیں کہ ان کی حکومت ایسا موقف اختیار کرے جو عوامی جذبات کا ترجمان ہو اور سینوں کو ٹھنڈا کر دے۔ سعودی عوام نے اپنے وزیر دفاع اور وزیر داخلہ کے ان بیانات کو بہت سراہا ہے کہ کسی عربی یا اسلامی ملک پر حملے کے لیے کسی ملک کو سعودی زمین استعمال کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی، اور نہ کسی سعودی باشندے کو ہی امریکہ کے حوالے کیا جائے گا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سعودی عرب نے بڑی جدوجہد کے بعد امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو ایسے مقام پر پہنچایا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف ہیں۔ وہ یقیناً ان کو خراب نہیں کرنا چاہے گا۔ امریکہ بھی ان تعلقات کو کشیدہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ اس کا مفاد بھی اسی میں ہے۔ امریکی انتظامیہ اور سعودی قیادت ذرائع ابلاغ پر کسی ایسے موقع کو ضائع نہیں کرتے جس میں اس بات پر زور نہ دیا جائے کہ سعودی امریکی باہمی تعلقات بہترین ہیں۔ کم از کم میڈیا کی حد تک صدر جارج ڈبلیو بش اور سعودی ولی عہد امیر عبداللہ مسلسل رابطے میں رہتے ہیں۔ امریکی ڈپلومیٹس سعودی عرب کا دورہ کرتے ہیں اور خوش گوار ماحول میں سعودی حکام سے ملاقات کرتے ہیں لیکن حالات عملاً کیا رخ اختیار کرتے ہیں؟ امریکہ کی طرف سے اسرائیلی سرپرستی میں کتنی کمی آتی ہے؟ عراق پر حملے کے حوالے سے امریکہ کیا طے کرتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امریکہ دہشت گردی کے نام پر سعودی حکومت، سعودی عوام، سعودی روایات اور مسلم دنیا کے خلاف کیا رویہ اختیار کرتا ہے؟ انھی سوالوں کے معلوم جواب میں مجہول مستقبل کے خدوخال نظر آتے ہیں۔

زامفارا: نفاذ شریعت کے بعد

احمد عزالدین

احمد رفاعی محمد ثانی، نائیجیریا کی ریاست زامفارا کے حکمران ہیں جو تاریخ میں اس حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے کہ موجودہ دور میں نائیجیریا کی اس پہلی ریاست کے حکمران ہیں جس میں نفاذ شریعت کا

اعلان کیا گیا۔ اس اقدام سے اسلامی افریقہ کے ان ممالک کی یاد تازہ ہوگئی جنھیں استعمار نے کچل کر رکھ دیا تھا۔

احمد رفاعی محمد ثانی نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ریاست میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا‘ اس وقت ان کی عمر ۳۹ سال تھی۔ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے نفاذ شریعت کیسے کیا جائے‘ انھوں نے اس کی ایک عمدہ مثال پیش کی ہے۔ نفاذ شریعت نائیجیریا کے مسلمان عوام کے دلوں کی آواز تھی۔ اس کے بعد نائیجیریا کی ۱۲ شمالی ریاستوں نے اس کی تقلید کی۔ نائیجیریا میں ۳۶ ریاستیں اور ایک صوبہ ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے‘ ترجمان القرآن‘ ستمبر ۲۰۰۱ء)۔ احمد رفاعی محمد ثانی نے اس تجربے سے کیا سیکھا اور انھیں کس قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑا؟ درج ذیل انٹرویو (شائع کردہ: المجتمع ۱۵۰۸‘ ۶ جولائی ۲۰۰۲ء) اس سوال کا جواب فراہم کرتا ہے۔

سوال: آغاز کہاں سے ہوا؟

جواب: جنوری ۱۹۹۹ء میں‘ میں نے زامفارا کے سربراہ کے انتخابات میں حصہ لیا۔ میں ''کل الشعب پارٹی'' کی طرف سے امیدوار تھا۔ یہ کوئی اسلامی پارٹی نہیں تھی بلکہ ایک فیڈرل پارٹی تھی جس کے پورے نائیجیریا میں اثرات ہیں۔ یہ پارٹی افرادی قوت کے لحاظ سے نائیجیریا کی تین فیڈرل پارٹیوں میں سے دوسری بڑی پارٹی ہے۔

الحمدللہ! مئی ۱۹۹۹ء میں ہمیں کامیابی حاصل ہوئی۔ پارٹی کے نمایندوں نے ریاست کی ۲۴ میں سے ۱۹ نشستیں حاصل کیں۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو ریاست میں شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔

س: آپ میں یہ سوچ کیسے پیدا ہوئی؟

ج: انتخابات سے پہلے میں شیخ ابوبکر محمود اور دیگر علما کے مواعظ اور دروس میں شرکت کیا کرتا تھا۔ جب میں نے نائیجیریا کے دستور کا مطالعہ کیا تو میں نے دیکھا کہ نفاذ شریعت اور نائیجیریا کے دستور میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ نائیجیریا کی کسی بھی ریاست میں شریعت نافذ کی جاسکتی ہے کیونکہ نائیجیریا میں فیڈرل حکومت ہے اور ریاستوں کو اس حوالے سے قانونی خودمختاری حاصل ہے۔ نفاذ شریعت کی قرارداد اس ریاست کے عوام کی دلی تمنا تھی۔ یہ کوئی زبردستی ٹھونسا گیا فیصلہ نہیں تھا۔ اسے ریاست کی پارلیمنٹ میں تمام نمایندوں کی تائید حاصل ہوئی۔ اس مقصد کے لیے ہم نے ریاست میں اجتماع عام منعقد کیا جس میں ۲ لاکھ افراد نے شرکت کی‘ جب کہ ریاست کی کل آبادی ۲۷ لاکھ ہے۔

س: آپ معاشیات سے سیاست میں کیسے آئے؟

ج: میں نے زامفارا کی وزارت مالیات میں کام کا آغاز کیا۔ اس وقت زامفارا کی ریاست

''سوکوتو'' کا حصہ تھی۔ ۱۹۹۶ء میں، میں زامفارا میں وزارت مالیات کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے لوٹ آیا۔ اس کے بعد میں نے استعفا دے دیا اور ''کل الشعب پارٹی'' میں شامل ہو گیا۔ ستمبر ۱۹۹۸ء سے میں نے باقاعدہ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔

س: آپ کی ریاست میں ''نفاذ شریعت'' کن معنوں میں ہوا؟

ج: نفاذ شریعت سے مراد اس کا عمومی مفہوم ہے جس میں حدود، قصاص، نظام تعلیم، معیشت اور معاشرتی نظام، سب پہلو شامل ہیں۔ اس کے علاوہ روزگار کے مواقع پیدا کرنا اور رشوت خوری کا سد باب کرنا اور لوگوں کے انداز فکر کو تبدیل کرنا تاکہ وہ قرآن وسنت اور دیگر اسلامی مصادر کی طرف رجوع کریں۔

س: عدالتوں کی طرف رجوع اور قوانین کی تبدیلی کے سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی؟

ج: موجودہ عدالتی نظام ۲۷ جنوری ۲۰۰۰ء کو متعارف ہوا۔ اکتوبر ۱۹۹۹ء سے جنوری ۲۰۰۰ء تک عدالتوں میں ججوں کو تیار کیا گیا اور عوام کی رہنمائی کا بندوبست کیا گیا۔

س: کیا آپ نے نفاذ شریعت کے لیے حالات اور ماحول کو سازگار پایا؟

ج: نائیجیریا میں بہت سارے نوجوان اسلامی جامعات سے فارغ التحصیل ہیں جنھوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک تعلیم پائی ہے۔ علما کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ہمیں بہت سے علما کی رہنمائی بھی حاصل رہی۔ صرف زامفارا ہی میں نہیں بلکہ بہت سی دوسری ریاستوں میں بھی علما کی بڑی تعداد موجود ہے۔ پارلیمنٹ کے بعد مجلس العلما کو اسلام کا نقطۂ نظر بیان کرنے اور مشاورت کی اتھارٹی دی گئی ہے۔ نفاذ شریعت سے پہلے وزارت مذہبی امور کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس وقت ابراہیم وکالا محمد اس کے سربراہ ہیں۔ اس وزارت کے تحت ''ادارہ دعوۃ وصلوٰۃ'' اور ''ادارہ زکوٰۃ واوقاف'' کا قیام عمل میں آیا ہے۔

س: ریاست میں نفاذ شریعت کے حوالے سے ''کل الشعب پارٹی'' کا کیا موقف تھا؟

ج: نفاذ شریعت کے مسئلے میں پارٹیوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ''کل الشعب پارٹی'' کے سربراہ نے اعلان کیا کہ جن ریاستوں میں پارٹی کی حکومت ہے وہ سب نفاذ شریعت چاہتی ہیں اور انھیں اس سے کوئی اختلاف نہیں۔ ملک کی بڑی پارٹی صدر نائیجیریا کی پارٹی ہے۔ چونکہ اس کی دستوری اتھارٹی نہیں ہے اس لیے وہ مخالفت نہیں کر سکتی۔

س: دوسری ریاستوں کا کیا موقف تھا اور انھوں نے آپ کے تجربے کی کیسے پیروی کی؟

ج: جس دن ہماری ریاست میں نفاذ شریعت کا اعلان ہوا، اس دن ریاست نیجر کے سربراہ وہاں موجود تھے۔ زامفارا کے بعد اس ریاست میں نفاذ شریعت عمل میں آیا۔ اس کے بعد سوکوتو اور دوسری

ریاستوں، مثلاً کابی، کانو، کاتسینا، جیقاوا، یوبی، بورلو، کوتشی، جومبی اور کالورنا میں شریعت نافذ کی گئی۔ یہ ساری شمالی ریاستیں ہیں۔

س: جنوب کی کیا صورت حال ہے؟

ج: جنوبی ریاستوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اکثر باشندے شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔

س: اس بارے میں حکومت کا کیا موقف ہے؟

ج: مرکزی حکومت اس کی مخالفت کرتی ہے۔ مرکزی حکومت کے زیادہ تر وزرا عیسائی ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان وزرا بھی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے صدر کی تائید کرتے ہیں۔

س: کیا آپ اس تضاد کو محسوس نہیں کرتے کہ افریقہ کا سب سے بڑا مسلمان ملک جس میں ایک ریاست کے بعد دوسری ریاست نفاذ شریعت کا اعلان کرتی ہے، اس ملک کے باشندے ایک عیسائی کو سربراہ مملکت کے طور پر منتخب کرتے ہیں؟

ج: سربراہ مملکت کے انتخاب کا معاملہ سابقہ انتخابات کی وجہ سے ہوا۔ اس کے علاوہ شمال اور جنوب کے مسائل نے بھی اس کو تقویت پہنچائی۔ اس لیے بعض افراد نے نائیجیریا کی سربراہی کے لیے ایک غیر مسلم کو صدر منتخب کیا۔ جب لوگوں نے نفاذ شریعت کے بعد اس کے ثمرات اور فوائد دیکھے تو انھوں نے دیگر ریاستوں میں بھی نفاذ شریعت کا مطالبہ کر دیا۔ یہ لوگ اپنی اصل کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کر رہے ہیں اور عثمان فودیو کے زمانے کے اسلامی نائیجیریا کو یاد کرتے ہیں۔

س: ہم جانتے ہیں کہ یہ صورت حال مغرب کے لیے قابل قبول نہیں؟ کیا مغرب نے آپ کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی؟

س: کاڈونا اور دیگر ریاستوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان جو فسادات ہوئے وہ مغرب کی شہ پر ہوئے اور ان کا مقصد مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کرنا تھا۔ شریعت مشکلات کا سبب نہیں بنتی بلکہ کچھ لوگ مصنوعی طور پر مشکلات پیدا کرتے ہیں اور انھیں شریعت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ اس لیے ایسے شرپسند عناصر نے ہمارے درمیان اور حکمران پارٹی کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال مسلمان ''شریعت یا موت'' چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں کوئی تیسرا راستہ پسند نہیں۔ لیکن نائیجیریا کے عیسائی، عیسائیت کے ساتھ ایسی جذباتی وابستگی نہیں رکھتے۔ جو لوگ فتنے کو ہوا دے رہے تھے انھوں نے غیر مسلموں کو کافی روپیہ پیسہ دیا۔ لیکن فسادات کے دوران ہم نے پوری کوشش کی کہ غیر مسلموں کو

نقصان نہ پہنچے۔ ہمارے اس طرز عمل سے بہت سارے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مرکزی حکومت کے بہت سارے عہدے داران نے اسلام قبول کیا۔

س: اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے اور عیسائیوں کو تاکام کرنے کے لیے آپ کیا کر رہے ہیں؟

ج: ہم ان کا عدل اور مساوات کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔ غیر مسلم دیکھتے ہیں کہ نفاذ شریعت نے عدل اور مساوات کو فروغ دیا ہے اور وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان ان کی مدد کرنے کے لیے اور ان کے مسائل حل کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں اور غیر مسلموں کو ان کے حقوق مل رہے ہیں بلکہ مرکزی حکومت بھی مسلمانوں سے غیر مسلموں کے حقوق دلواتی ہے۔ اس وجہ سے عیسائی بھی مسلمانوں کی عدالتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اسلام دشمن عناصر جن موثر شخصیات کو خرید کر فتنہ بھڑکاتے ہیں اس کا اتنا اثر نہیں ہوتا اور انھیں عوامی حمایت حاصل نہیں ہوتی۔

س: نائیجیریا کی جن ریاستوں میں شریعت نافذ کی گئی ہے، ان کی آبادی کتنی ہے؟

ج: جن ریاستوں میں شریعت کا نفاذ عمل میں آیا ہے ان کی آبادی کل آبادی کا ایک تہائی ہے، یعنی ۳۵ فی صد۔

س: کیا آپ کا باہمی رابطہ ہے؟

ج: کوئی ایسی کمیٹی یا باہمی رابطے کا نظام نہیں ہے لیکن بعض ایسی اسلامی جماعتیں ہیں جو ان ریاستوں کی حکومتوں کے درمیان رابطے کے لیے کوشاں ہیں۔ نائیجیریا میں انتخابات کی آمد آمد ہے۔ اس لیے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمان ایک پارٹی کی حیثیت سے انتخابات کے میدان میں اُتریں کیونکہ موجودہ ریاستوں کے سربراہ جنھوں نے شریعت نافذ کی ہے ایک پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے۔

س: حدود کے نفاذ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، رجم کرنا، کوڑے مارنا اور ہاتھ کاٹنا......؟

ج: زامفارا میں جب سے شریعت کا نفاذ عمل میں آیا ہے، صرف دو دفعہ ہاتھ کاٹا گیا ہے اور ایک دفعہ شراب پینے کی وجہ سے کوڑے مارے گئے ہیں لیکن رجم نہیں ہوا۔ اس طرح کے واقعات کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے جن میں حدود نافذ کرنا پڑیں۔

س: اس بات کا وضاحت کے ساتھ جواب دیجیے کہ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ دفعہ شریعت کے نفاذ کا تجربہ کیا لیکن یہ تجربات ناکامی سے دوچار ہوئے۔ ناکامی سے بچنے کے لیے آپ نے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی ہیں؟

ج: پہلی بات یہ ہے کہ وزارت مذہبی امور کے ذریعے ہم نے لوگوں کی تربیت کی کہ اصل اقتدار کا

مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ جسے چاہتا ہے' اقتدار و اختیار عطا کرتا ہے۔ اس لیے پارٹی بازی اور گروہ بندی کو اہمیت نہ دی جائے اور نہ یہ دیکھا جائے کہ ہمارا تعلق مخالف پارٹی سے ہے۔ یہ اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ زامفارا کے باشندے شریعت کے نفاذ کے لیے گروہ بندی اور پارٹیوں کو اہمیت نہیں دیتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگ عدل و انصاف اور مساوات کے متلاشی ہوتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں انھیں مل رہی ہیں۔ اس لیے انھیں شریعت اور دیگر نظاموں کا فرق معلوم ہوگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شریعت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لیے جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہماری توجہ روزگار کی فراہمی اور ملازمتوں کے مواقع پیدا کرنے پر مرتکز ہے۔ اس کے علاوہ نوجوانوں کی مدد کے لیے اوقاف اور لوگوں میں زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی تقسیم کے ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ ان ابتدائی اقدامات کی وجہ سے ریاست میں بھوک کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ ہر ایک کی بنیادی ضروریات کسی نہ کسی طور پر فراہم ہو جاتی ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ وزارت مذہبی امور کے ذریعے ہم نے داعیوں کو مقرر کیا ہے جن کو باقاعدہ تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ داعی دیہات میں گھوم پھر کر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شریعت کی حمایت جاگزیں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ علما' ائمہ اور موذن حضرات کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی ہیں تاکہ وہ معاش کے فکر سے آزاد ہو کر دعوت دین کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اس سے پہلے ان کی تنخواہوں کا کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا۔ (ترجمہ: محمد احمد زبیری)

۱۴۲۳ھ - اشاعت میں اضافے کا سال

ہمارے قارئین ترجمان القرآن کی اشاعت کی جو کوشش کر رہے ہیں' الحمدللہ' اس کے مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں۔ آپ کی کوشش سے جاری کروائے گئے پرچے سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے' آپ اس کے اجر میں شریک ہوں گے۔ یہ اجر کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ' یعنی صدقہ جاریہ ہے۔

جس قارئین نے ابھی تک کوئی حصہ نہیں لیا ہے' وہ بھی حصہ لیں۔ حلقہ تعارف میں اس کا ذکر کر دیں' اس کے لیے کلمہ خیر کہہ دیں' ممکن ہو تو نمونہ پیش کر دیں۔ اور دل میں قبولیت کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ (ادارہ)

رسائل و مسائل

اختلاف رائے کے آداب

یہ کسی سوال کا جواب نہیں۔ ۱۹۵۷ء میں محترم خرم مراد کے اپنی والدہ کے نام امریکہ سے لکھے گئے ایک خط کا اقتباس ہے۔ ایک صورت حال پر تبصرہ ہے' لیکن آج بھی بہت سے سوالوں کا جواب ہے۔ اس وقت وہ ۲۴ سال کے نوجوان تھے۔ (ادارہ)

ہر اجتماعی زندگی میں بے شمار مواقع پر اختلاف رائے ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے۔ اس کو لوگ ٹھیک کرنا نہیں جانتے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اختلاف ہے تو عملاً ایک ہی رائے چل سکتی ہے۔ اب کون سی رائے چل سکتی ہے؟ اس کے لیے کوئی طریق کار متعین ہونا چاہیے اور اس کی پابندی سب کو کرنا چاہیے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جماعت میں کوئی ایسی بات ہو رہی ہے جو قرآن و سنت کی نص صریح کی خلاف ورزی ہے تو وہ پوری جماعت کے سامنے قرآن کی آیت پیش کرے اور اگر جماعت اصلاح کے لیے تیار نہ ہو تو پھر وہ اس کام میں اپنی عدم شرکت کا اعلان کر دے۔ لیکن ایسا تو ہوگا نہیں۔

اس کے بعد قرآن و سنت کی تعبیر کا سوال ہوتا ہے۔ جب آدمی خود ایک تعبیر کرتا ہے تو اسے اتنا ہی حق دوسرے کو دینا چاہیے۔ اسی طرح تدابیر کا معاملہ ہے۔ کوئی اقدام اور کوئی تدبیر کسی شخص کی نظر میں سراسر غلط ہوسکتی ہے۔ لیکن اس کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ دوسرا پورے اخلاص سے اسے صحیح سمجھ کر کر رہا ہے۔ اب اس بات کا فیصلہ کہ کس کی بات چلے' عام ارکان جماعت ہی کر سکتے ہیں۔ جب ایک فیصلہ ہو جائے تو پھر سب کو سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ اگر کوئی آدمی ذمہ دار حیثیت رکھتا ہو اور اس کی رائے کے خلاف فیصلہ ہو جائے تو وہ زیادہ سے زیادہ ذمہ داری کے منصب سے علیحدہ ہوسکتا ہے---

یہاں لوگ جب اپنی بات کہتے ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ "میری رائے میں......"۔ اصل میں انتشار کی راہ اس میں ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ بس یہ میری ایک رائے ہے اور دوسری رائے' خواہ میری نظر میں غلط ہو' لیکن ٹھیک ہوسکتی ہے تو اس وقت تک بات ٹھیک ہے۔ لیکن جب کوئی

اپنی رائے کو قرآن و حدیث کا ناطق فیصلہ سمجھنا اور دین کی بنیاد سمجھنا شروع کر دے کہ اس کی رائے کی قربانی نہ ہونا چاہیے' خواہ دین کے مفاد اور اس کے مستقبل کا گلا گھونٹ دیا جائے اور اس مقدس عمارت کی بنیادیں اکھڑ جائیں جس سے اسلام کا مستقبل وابستہ ہے' تو پھر یہ انتشار اور فتنے کی راہ ہے۔

صحابہ کے فقہی اختلافات میں ہمارے لیے بے شمار اچھی نظیریں ہیں۔ مجھے نام یاد نہیں لیکن شاہ ولی اللہؒ نے دو صحابہ کے نام لکھے ہیں۔ ایک کے نزدیک وضو کے بعد گرم چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتی تھی دوسرے کے نزدیک نہیں۔ دونوں سند حدیث سے لاتے تھے۔ جب یہ صاحب امامت کرتے جن کے نزدیک وضو نہ ٹوٹتی تھی تو دوسرے ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ ان کے مسلک کی رو سے وہ نماز نماز ہی نہ تھی۔ میں ایسے چند افراد کے بارے میں جانتا ہوں کہ اگر وہ ایسے موقع پر ہوتے تو صاف انکار کر دیتے کہ نہیں صاحب' حدیث کی رو سے یہ نماز اب نماز ہی نہ رہی۔ امام بے وضو ہے۔۔۔۔ پھر عراق کی زمینوں والا معاملہ ہے جس پر تین دن رات مسجد نبویؐ میں بحث ہوئی اور حضرت عمرؓ، حضرت بلالؓ سے تنگ آ گئے کہ اللہ مجھے بلال سے نجات دے لیکن جب شوریٰ نے معاملہ طے کر دیا تو سب باتیں ختم۔۔۔

یہاں یہ ہوتا ہے کہ اولاً اپنی بات اس طرح پیش کریں گے کہ بس اس سے الگ ہٹ کر کوئی راہِ حق و صواب ہے نہیں۔ پھر اس میں گرم گرم جذبات کا مظاہرہ کریں گے۔ جب جذبات کی رو میں دونوں طرف سے غلطیاں ہوں گی تو اب وہ اصول کے ساتھ مل کر ایک ذاتی اختلاف بھی بن جائے گا اور پھر اس میں شکایات پیدا ہوں گی۔۔۔ پھر اگر جماعت میں ان کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا تو اندر اندر سلگتے رہیں گے۔ اس کے خلاف فضا اور ذہنوں کو مسموم کرتے رہیں گے۔۔۔ شیطان کی قوتوں سے لڑنے کے بجائے زیادہ اہم کام یہ ہو جائے گا کہ قیادت کو بدنام کیا جائے۔ پہلے اور شکایات ہوں گی۔ اب آمریت اور جمہوریت کی شکایات ہوں گی۔ اسی طرح تو فتنوں کا آغاز اسلام میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کے خلاف ذاتی اور ان کے ادائے فرض کے سلسلے میں طوفان اٹھے۔ اور اس میں حضرت محمد بن ابوبکرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے لوگ تھے جن کے اخلاص میں ہم جیسے لوگ کلام نہیں کر سکتے۔ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اگر یہ لوگ متحد رہتے تو آج اسلام کی تاریخ مختلف ہوتی۔

امریکہ میں ایک بات مجھے پسند آئی ہے کہ ہر آدمی اختلاف رائے کرتے ہوئے "in my opinion" کے الفاظ سے شروع کرتا ہے اور صرف کہتا نہیں بلکہ واقعی اس کو ملحوظ رکھتا ہے۔ شیطان کے لیے اس کے چیلے اس ڈسپلن کا مظاہرہ کر سکتے ہیں لیکن خدا کے بندے تو ''خدا کے بندے'' ٹھیرے۔ انھیں بھلا اس دنیا میں دین کے مستقبل کی کیا پرواہ۔ کچھ بھی ہو۔۔۔ حق تو ''حق'' ہے' بس اس کو ہونا چاہیے۔ خدا اس ''حق پرستی'' اور اس ''اصول پرستی'' سے محفوظ رکھے۔

کتاب نما

سفر آدھی صدی کا' عبدالکریم عابد۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' ڈی-۳۵' بلاک ۵' فیڈرل بی ایریا' کراچی-۷۵۹۵۰۔ صفحات: ۳۲۰۔ قیمت' مجلد: ۱۵۰' غیر مجلد: ۱۲۰ روپے۔

گزرنے والا ہر لمحہ تاریخ ہے' مگر کتنے لوگ ہیں جو لمحوں کو تاریخ سمجھتے ہیں اور ان لمحوں کی زنبیل میں تاریخ کے اسباق و حوادث سے رہنمائی لیتے ہیں؟ خال خال--- اگرچہ انیسویں صدی عیسوی بھی بڑی ہنگامہ خیز تھی' تاہم بیسویں صدی تو اپنے انقلابات اور کش مکش کے حوالے سے گہرے اثرات کی حامل صدی شمار کی جا سکتی ہے۔

ایک اخبار نویس: محض خبر نگار' وقائع نگار یا تجزیہ نگار نہیں ہوتا' بلکہ آج کے زمانے میں تو اخبار نویس غالباً بہت سے حکمرانوں سے بھی زیادہ باخبر اور اثر انداز ہونے والی شخصیت شمار ہوتا ہے۔ عبدالکریم عابد' پاکستان کے ان قابل قدر اخبار نویسوں میں سے ہیں' جو گذشتہ نصف صدی سے بھی زائد عرصے میں متعدد حوادث اور اہم واقعات کا حصہ یا ان کے شاہد رہے ہیں۔ استغنا اور قلندری کے خوگر اس بزرگ اخبار نویس پر رب تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے کہ عمر گزر گئی' مگر اصولی موقف پر کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ انھوں نے زمانے کو خبر دی اور خبردار بھی کیا۔ کسی مداہنت کے بغیر اپنوں پر بھی تنقید کی' مگر حکمت اور توازن کے ساتھ۔

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہے کہ آج کا اخبار نویس' خبر نگار سے بڑھ کر' ایک بڑے نازک مقام پر ایستادہ دیدبان (OP) کی طرح ہے' جس کا سینہ رازوں کا خزینہ ہے۔ ممکن ہے یہ بات عام لوگوں کے لیے ایک عمومی سی بات ہو لیکن سفر آدھی صدی کا پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی بیدار ذہن رکھنے والا اخبار نویس تاریخ اور لمحوں کے ساتھ قدم ملا کر چلتا ہے۔ یہ اعزاز کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے کہ وہ اس سفر کی کلفتوں اور راحتوں میں دوسروں کو بھی شریک کرے۔

عبدالکریم عابد نے سفر آدھی صدی کا میں مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر حکمت سے بھرپور بیان و استدلال کے ساتھ بڑے اہم لمحوں کا تذکرہ دبیز پردوں سے نکال کر پیش کیا ہے۔ اگرچہ کتاب کا ہر باب ایک مکمل موضوع ہے' تاہم اس کے چند مرکزی موضوعات یہ ہیں: سقوط حیدرآباد دکن کا پس منظر اور پیش منظر'

کمیونسٹ پارٹی کی کھلی اور چھپی سرگرمیاں، ترقی پسند صحافیوں کی وارداتیں اور حکمت عملی، مہاجر سندھی سیاست کا ارتقا اور احوال، جماعت اسلامی کو درپیش چیلنج، پاکستان کی دستوری تاریخ کے اہم موڑ، بھٹو مرحوم کی سیاست کے پیچ وخم، وادی صحافت کے نشیب وفراز، ہندو سیاست کا شاخسانہ وغیرہ۔

عابد صاحب کے دانش ورانہ نکات و معارف کے حامل، چند مختصر اقتباسات: ○ پاکستان کی پرانی نسل کو قائد اچھے ملے، اور انھوں نے قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے بہت کچھ کیا۔ مگر نئی نسل کا المیہ یہ ہے کہ وہ قیادت سے محروم رہی، بلکہ اس کا واسطہ دجالوں سے رہا، جو اسے فریب پر فریب دیتے رہے۔ (ص ۱۳) ○ مولانا ظفر احمد انصاری نے قیام پاکستان کے بعد قائداعظم سے کہا تھا کہ ''مسلم لیگ صرف پاکستان بنانے کے لیے تھی، پاکستان بن گیا، اس کا کردار ختم ہو گیا ہے [اب ختم کرنے کا اعلان کر دیجیے]''۔ اگر اس تجویز پر عمل ہوتا تو لیگ کا مردہ خراب ہونے سے بچ جاتا (ص ۱۶۱)۔ ○ ایوب خان کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ سی آئی اے کا تھا، وہ پروچائنا [کمیونسٹ] گروپ کو استعمال کر رہی تھی۔ (ص ۲۳۴) ○ ایک تقریر میں معراج [محمد خاں] نے مودودی صاحب پر بدتمیزی کے ساتھ نکتہ چینی کی۔ [ذوالفقار علی] بھٹو فوراً کھڑے ہو گئے اور کہا ''یہ خیالات معراج کے ہیں میرے نہیں، میرے دل میں مولانا مودودی کا بہت احترام ہے''۔ (ص ۲۴۴)

عابد صاحب اختصار، جامعیت اور بلا کی سادگی و پرکاری کے ساتھ بڑے بڑے موضوعات کو ایک ڈیڑھ صفحے میں قلم بند کر دیتے ہیں، جس میں مطالعے کی وسعت، مشاہدے کی گہرائی اور موضوعات کا تنوع، قاری کو ان کا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب اُن کے کالموں کا مجموعہ ہے، مگر اس میں انھوں نے آپ بیتی سے بڑھ کر جگ بیتی تحریر کی ہے۔ اچھا ہوتا کہ کتاب کی مناسبت سے کچھ تکرار کو ختم کر دیا جاتا۔ پروفیسر شاہد ہاشمی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دستاویز کی پیش کاری میں دل چسپی لی اور ارزاں قیمت پر ایک دل چسپ کتاب فراہم کرنے میں کامیاب رہے۔ (سلیم منصور خالد)

متبادل سودی نظام کے دعوے، استاد محمد طاسینؒ۔ ناشر: گوشۂ علم و تحقیق، کراچی۔ تقسیم کار: فضلی بک سپر مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی۔ صفحات: ۱۸۰۔ قیمت: ۱۳۰ روپے۔

استاد محمد طاسین مصنف اور محقق کی حیثیت سے ایک معروف نام ہے۔ مولانا کی درجن بھر کتب اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں۔ بعض موضوعات پر ان کی منفرد آرا ان کے دقتِ مطالعہ کی مظہر ہیں۔ مروجہ زمین داری نظام پر ان کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہے، اور وہ پاکستان کی جاگیروں کو عشری کے بجاے خراجی زمینیں قرار دیتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب سود اور غیر سودی بنک کاری وغیرہ کے حوالے سے ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں: بنک کیسے وجود میں آئے، بنکوں کا تاریخی پس منظر اور سماجی کردار، غیر سودی بنک کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چلانے کی عملی صورت اور سرمایے کی حیثیت وغیرہ شامل ہیں۔ مزید برآں کتاب میں پاکستان کے حوالے سے غیر سودی (نفع ونقصان کی بنیاد پر) بنک کے قیام کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ، مضاربت کی بنیاد پر بنک کا قیام اور اس کی شرعی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے (ص ۱۷)۔

مولانا طاسین کی رائے میں مضاربت کو اسلامی بنک کاری کی اساس نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ''مضاربت کا معاملہ معاشرے کے بعض مخصوص افراد سے تعلق رکھتا ہے اور انفرادی نوعیت کا معاملہ اجتماعی نوعیت کا معاملہ نہیں جس میں معاشرے کے سب افراد شریک ہو سکتے ہیں، لہٰذا بنک جیسے اجتماعی ادارے کی تشکیل مضاربت کی بنیاد پر کرنا درست نہیں قرار پاتا بلکہ غلط ہوتا ہے'' (ص ۲۶)

خلاصہ بحث کے طور پر مولانا طاسین لکھتے ہیں: ''اگر ہم واقعی صدقِ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں سود کی لعنت اور نحوست سے چھٹکارا ملے...... تو ہمیں پختہ عزم کے ساتھ اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم نے وطن عزیز پاکستان سے اس سرمایہ دارانہ معاشی نظام کا جڑ و بنیاد سے خاتمہ کرنا اور اکھاڑ پھینکنا ہے، جو فی الوقت ہمارے ہاں رائج اور بروے کار ہے، اور جس کے لازمی جز کے طور پر موجودہ بنک کاری کا ادارہ قائم ہے'' (ص ۳۲، ۳۳)۔ اس کے علاوہ مولانا نے بیمے کی شرعی حیثیت اور دیگر مسائل کی شرعی حیثیت و اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مولانا مرحوم کی بعض آرا سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، اس کے باوجود تحقیقی حوالے سے مضامین کا یہ مجموعہ بہت سے اہم موضوعات کا احاطہ کرتا ہے اور قرآن و حدیث کے علاوہ فقہ کے حوالوں سے مزین ہے۔ (میاں محمد اکرم)

اے نیو ماڈل فار ہیلتھ اینڈ ڈزیز، ڈاکٹر جارج وتھالکس، ترجمہ: ڈاکٹر ملک محمد مسعود یحییٰ۔ ناشر: ہومیو پیتھک فرٹیلیٹی کلینک، مین بازار، جوہر آباد ۲۰۰۰ء۔ صفحات: ۲۵۱۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

مصنف ایک تجربہ کار یونانی اور آلٹرنیٹو نوبل انعام یافتہ معالج ہیں۔ انھوں نے سالہا سال کے عملی تجربے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انٹی بیاٹک ادویہ کا غیر مستند اور بکثرت استعمال انسان کے مدافعتی نظام کو بے حد کمزور کر کے جسم پر مہلک اثرات مرتب کرتا ہے۔ دورِ جدید میں ایڈز اور ایسے ہی دوسرے امراض خبیثہ کا سب سے بڑا سبب ایلوپیتھک ادویات کا بے باکانہ استعمال ہے۔ وہ اس خطرناک صورت حال کا تدارک

ہیومیو پیتھک طرز علاج میں پاتے ہیں۔ مصنف نے اپنی بات آسان زبان میں اعداد و شمار، تصویروں، ڈایاگراموں اور گرافوں کی مدد سے سمجھائی ہے۔ گوناگوں امراض سے نجات اور صحت مند زندگی آج کا بنیادی مسئلہ ہے، اس کے حل میں یہ کتاب مدد دیتی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

خواتین اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ابوالفضل نور احمد۔ پتا: بی ۲۵، نیشنل آٹو پلازہ، مارسٹن روڈ، عقب رمپا پلازہ، کراچی-۷۴۴۰۰۔ صفحات: ۷۰۳ (بڑی تقطیع)۔ قیمت: ۳۵۰ روپے۔ [کتاب منشورات، منصورہ، لاہور سے بھی دستیاب ہے]۔

مصنف کہتے ہیں کہ ''اس وقت اسلامی فکر کی ترویج کے لیے مختلف محاذوں پر کوششیں ہو رہی ہیں، اس کتاب کے ذریعے ہم بھی ان کوششوں میں شریک ہو رہے ہیں۔ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی ارکان و آثار کی قرآنی فکر کی روشنی میں ایسی تفصیل شامل کی گئی ہے جو عبادات سے لے کر اخلاقیات تک اور سماجیات سے لے کر اقتصادیات تک تمام شعبوں میں مسلمانوں کی عملی طور پر رہنمائی کر سکے'' (ص ۲۷)۔ کتاب کے موضوعات و مباحث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ نام کی مناسبت سے عورت اور خاندان سے متعلق چھوٹے بڑے امور و مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ پہلا حصہ: ایمانیات، آثار اسلام، دوسرا: اخلاقیات اور معاشرت، تیسرا: ازدواجی زندگی کے شرعی مسائل، چوتھا: خواتین کی صحت، پانچواں: بچوں کی صحت و تربیت، چھٹا: عام صحت، احتیاط و علاج، ساتواں: متفرقات۔ اس طرح ہر موضوع پر تفصیل سے چھوٹی چھوٹی جزئیات مہیا کی گئی ہیں حتیٰ کہ دیمک کو ختم کرنے کا طریقہ، تنگ جوتے کو ٹھیک کرنے کا طریقہ اور چوہوں کو بھگانے کا طریقہ بھی---وغیرہ۔

اس کتاب سے ذہن بہشتی زیور کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مصنف معترف ہیں کہ انھوں نے روشن فکر علما کی تحریری خدمات سے، ''پھولوں کا انتخاب کر کے ایک گلدستہ سجایا ہے''۔ فقہی سوالات کے جواب، عرب نیوز میں شائع ہونے والے عادل صلاحی کے جوابات سے لیے گئے ہیں (جو اسلامی طرز فکر کے عنوان سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکے ہیں)۔ بہرحال اس کتاب کی جامعیت میں کلام نہیں، اور افادیت بہت وسیع ہے۔ یہ بکثرت اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے، مگر اس کی جلد مضبوط نہیں ہے۔ (ر-ہ)

تعارف کتب

☆ Speeches for An Inquiring Mind [ایک متجسس ذہن کے لیے چند تقریریں]، امتیاز احمد۔ الرشید پرنٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۰۱، مدینہ منورہ۔ صفحات: ۱۶۲۔ قیمت: درج نہیں۔ مفت تقسیم کے لیے اسے مصنف کی اجازت کے بغیر بھی طبع کیا جا سکتا ہے۔ [مولف ۲۶ سال امریکہ میں مقیم رہے۔ تعلیم و تدریس سے وابستگی، مضمون فزکس دعوت اور خطباتِ جمعہ کے سلسلے میں وہاں پیش آمدہ تجربات کی روشنی میں ۲۹ موضوعات پر چھوٹے چھوٹے مضامین، جو خطبوں، تقریروں اور عمومی مطالعے کے لیے مفید و معاون۔ ہر موضوع پر بات قرآن و حدیث کے حوالے سے۔ چند موضوعات: تقریب نکاح، غیر مسلموں سے دوستی، قسمت اور تقدیر، لیلۃ القدر، مرد و زن کے فرائض، معراج، قبلہ، برزخ، حیات بعد الممات، حلال وحرام، گناہ کبیرہ و صغیرہ، ماہ شعبان، تجسس، غیبت، بدگمانی، مریم، حضرت ابراہیمؑ کی آزمایشیں --- طباعت معیاری۔ اپنے موضوع پر بہت عمدہ چیز۔]

☆ **ذوقِ بیان**، صاحبزادہ طارق محمود۔ پتا: مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۸۴۔ قیمت: ۱۷۵ روپے۔ [۳۰ دینی موضوعات پر خطباتِ جمعہ کا مجموعہ، مثلاً بسم اللہ کی فضیلت، نماز، فضائل مکہ و مدینہ، اتحاد اُمت، آخری عشرہ، صلح حدیبیہ، والدین کے حقوق، زکوٰۃ، قربانی، ختم نبوت، قادیانی غیر مسلم کیوں وغیرہ]

☆ **ستاروں سے آگے**، سلطان فریدی۔ ناشر: اذانِ سحر پبلی کیشنز، ۴۲ چیمبرلین روڈ، لاہور۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۴۵ روپے۔ [کسی دوسرے کے مصرعے پر اپنا مصرع یا بند لگانا ''تضمین'' ہے۔ سلطان فریدی نے علامہ اقبال کی منتخب نظموں کو متضمن کیا ہے، مثلاً: ؎

ساری زمیں ہماری، کل آسماں ہمارا — کوہ و دمن ہمارے، ہر گلستاں ہمارا
صحرا یہاں ہمارا، دریا وہاں ہمارا — ''چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا''

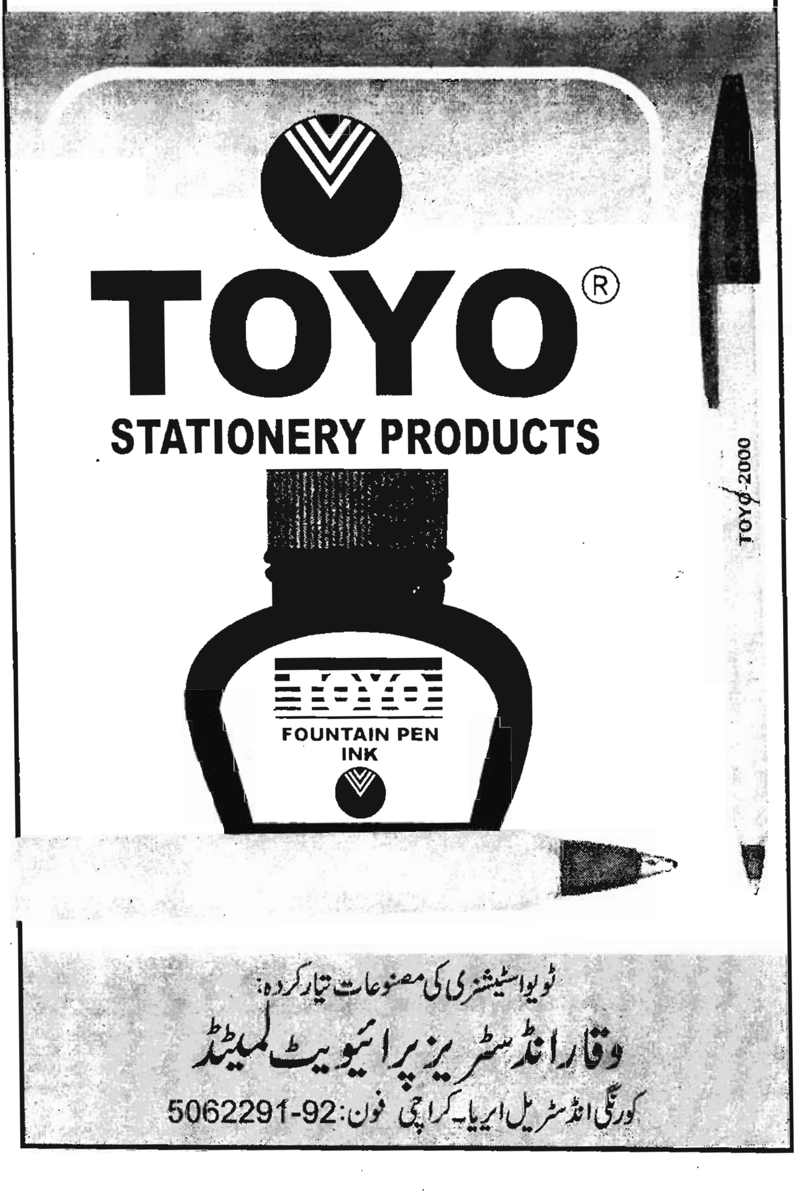
ایک جذبہ اخلاص و محبت کے ساتھ اور انکسارانہ، تضامینِ اقبال کے ذخیرے میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔]

☆ **عالم گیر اُمت اور فرقہ بندی**، محمد نواز۔ ناشر: راوی پبلشرز، ۱۶-الفضل مارکیٹ، ۱۷ اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۷۶۔ قیمت: ۳۰ روپے۔ [اہل حدیث اور احناف میں دین کی بنیادوں میں فروعی مسائل میں تاویل و تعبیر کا اختلاف ہے۔ سقوطِ خلافتِ راشدہ، ملوکیت کے غلبے اور معتزلہ کی عقل پرستی نے فرقوں کو فروغ اور فتنوں کو ہوا دی۔ محدثین، فقہا اور اہلِ تصوف کی کاوشیں بھی کارگر نہ رہیں۔ آج مسالک تو بہت ہیں مگر اقامت دین، فریضۂ شہادتِ حق، اسلامی حکومت کے قیام اور اُمت مسلمہ کے عالمی منصبِ اقامت کی بحالی جیسے مقاصد و اہداف کا کہیں نام و نشان نہیں --- قرآن اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اصولی اور عالمانہ بحث۔]

☆ **یادیں**، نذیر حسین۔ ناشر: کلاسیک، ۵۴۲ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔ صفحات: ۱۶۰۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔ [ایک میڈیکل ڈاکٹر کے بے ساختہ ''احساسات، کیفیات اور جذبات''۔ ''حقیقت کی تلاش، عشق رسولؐ کی جھلکیاں، معاشرتی ناہمواریاں، منافقت سے نفرت، عہدِ حاضر کی ناقدری، انسانی اقدار و روایات کی ٹوٹ پھوٹ، ہجر، وصال، دکھ، درد جیسے موضوعات''، پر سیدھی سادی نظمیں اور غزلیں۔]

☆ **سوانح حضرت مولانا مفتی محمودؒ**، مولانا عبدالقیوم حقانی۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ (صوبہ سرحد)۔ صفحات: ۳۳۶۔ صفحات: ۱۲۰ روپے۔ [مولانا مفتی محمودؒ کی شخصیت، پاکستان کے دینی اور سیاسی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی عمر دینی علوم کی تدریس میں گزری، جمیعت العلما اسلام کے ممتاز رہنما اور صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ رہے۔ ۱۹۷۷ء کی بھٹو مخالف تحریک میں، تین رکنی وفد کے قائد کی حیثیت سے انھیں بین الاقوامی شہرت ملی۔ زیرنظر سوانح میں ان کے اوصافِ حمیدہ، علمی عظمت، فقر و قناعت اور دیگر گوناگوں شخصی خوبیوں کو اجاگر کیا گیا ہے جو اپنی جگہ بہت خوب ہیں۔ لیکن اس سے ان کی ذہنی نشوونما اور سیاسی زندگی کی تفصیل اور اس کے نشیب و فراز کی پوری عکاسی نہیں ہوتی۔ بہرحال عقیدت مندانہ انداز میں مولانا مفتی مرحوم کی شخصیت کا یہ ایک عمدہ مرقع ہے۔]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ○ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بری موت سے بچاتا ہے ○ چھپا کر دیا جانے والا صدقہ رب کی آتش غضب بجھاتا ہے ○ اور صلہ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)



K-Job:0201 a(J)30-07-02,SHABTAZ

ہاؤسنگ کی دنیا میں قابل اعتماد احباب گروپ آف کمپنیز کی جانب سے 14 واں اور اسلام آباد زون 4 میں دوسرا بڑا منصوبہ

احباب گروپ آف کمپنیز

احباب ایگرو فارمز فیز II

400 کنال زمین خرید لی گئی ہے۔ نشاندہی لے کر سرکاری طور پر قبضہ حاصل کر لیا گیا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہماری زمین پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ 400 کنال زمین کی کٹنگ اینڈ فلنگ پہلے ہی کر لی تھی۔ اب دوبارہ کنٹور سروے کروا کر ٹاؤن پلاننگ کروالی گئی ہے۔ اس کے مطابق سائٹ پر ترقیاتی کام شروع ہیں۔ بکنگ کے لئے بہت تھوڑے ایگرو فارم بقایا رہ گئے ہیں فوری رابطہ آپ کے مفاد میں

اسلام آباد زون 4 میں عظیم الشان منصوبہ

ایگرو فارمز کا محل وقوع

شاہراہ پاکستان پر بنے ہوئے کھنہ پل سے دائیں طرف نکلنے والی لہتراررڈ پر 8 کلومیٹر اور پارک روڈ کے سنگم کا نام ترامڑی چوک ہے۔ یہاں سے 6 کلو میٹر کے فاصلہ پر ایگرو فارمز فیز II ہے۔ یہ جگہ ائیر پورٹ سے 18 کلومیٹر راول ڈیم اور اسلام آباد کلب سے 13 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

20 کنال فارم کی قیمت

ہر فارم کی قیمت 40 لاکھ روپے بمعہ ترقیاتی اخراجات ہے جس میں سڑکیں، سیوریج، واٹر پائپ ٹیلیفون اور بجلی فراہم کی جائیں گی اس کے علاوہ پورے چار سو کنال فارم کے گرد خاردار تار صدر دروازہ اور حفاظتی دفتر سیکیورٹی سسٹم مہیا کیا جائے گا۔

طریقہ ادائیگی

درخواست کے ہمراہ 10 لاکھ روپے باقی رقم 8 سہ ماہی اقساط میں اڑھائی لاکھ روپے فی قسط چیک/ڈرافٹ بنام "احباب ایگرو فارمز پرائیویٹ لمیٹڈ یونائیٹڈ بنک وحدت روڈ لاہور اکاؤنٹ نمبر 1694" کے نام بھجوائیں۔ یکمشت ادائیگی کی صورت میں 5% رعایت دی جائے گی۔

توجہ فرمائیں

دو افراد مل کر بھی ایک ایگرو فارم بک کرا سکتے ہیں۔

موازنہ قیمت

اس وقت سی ڈی اے کے سیکٹر G-II میں جو اسلام آباد کلب سے 14 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ زمین کی قیمت تقریباً 45 تا 50 لاکھ روپے فی کنال ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ ہماری زمین سے ملحقہ رہائشی کالونی تعمیر ہو رہی ہے جہاں بغیر کسی ترقیاتی کام کے زمین 5 لاکھ روپے فی کنال فروخت کی جا رہی ہے۔ آپ اندازہ کر لیجئے کہ فارم بک کراتے ہی آپ کو کتنا بڑا فائدہ ہوگا۔

لاہور کے منصوبہ جات

- آب پارہ (مکمل)
- گلشن احباب فیز I (مکمل)
- گلشن احباب فیز II (مکمل)
- شاداب کالونی (آخری مراحل)
- گیلانی پارک (مکمل)
- گیلانی ہومز (زیر تکمیل)
- بلال ٹاؤن (زیر تکمیل)

مری کے منصوبہ جات

- احباب گارڈنز (زیر تکمیل)
- احباب ولاز (مکمل)
- ہل ویو اپارٹمنٹس (مکمل)

اسلام آباد / راولپنڈی کے منصوبہ جات

- منظر کوہسار (زیر تکمیل)
- احباب ایگرو فارمز فیز I
- احباب ایگرو فارمز فیز II (زیر تکمیل)
- مارگلہ ٹاؤن (نیا منصوبہ)

سستے جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے والا تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

پمفلٹ مفت منگوائیں

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس: بٹ ہاؤس 1-اے فیض روڈ، اولڈ مسلم ٹاؤن، لاہور

فون: 5869549-5865371 فیکس: 5837016 ای میل: [illegible].net.pk

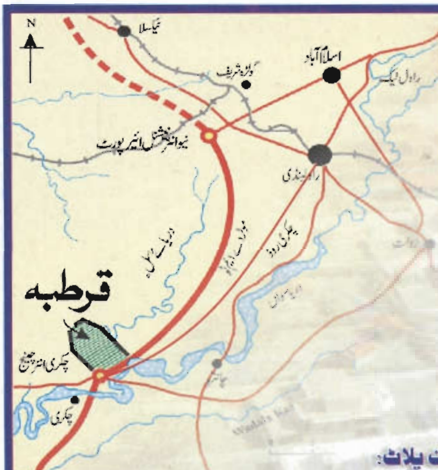
سب آفس

احباب ہاؤس

لہترار روڈ اسلام آباد

فون: 2240779

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا



امن ومحبت اور دین ودانش کی بستی

موٹروے اسلام آباد

قرطبہ

تعارف:

مدینۃ العلم سوسائٹی ایک مثالی اسلامی بستی بسانے کا منصوبہ پیش کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد مدینۃ العلم سوسائٹی کے صدر، سید منور حسن سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری اور ممتاز ذمہ دار افراد گورننگ باڈی کے ارکان ہیں۔

محل وقوع:

زیرو پوائنٹ اسلام آباد سے تقریباً آدھ گھنٹے کی ڈرائیو (50 کلومیٹر) پر موٹروے چکری انٹرچینج پر خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں کھلے اور پُر فضا ماحول میں واقع ہے۔ قرطبہ کے گردونواح میں بستیاں موجود ہیں۔ جو شہری کثافتوں سے پاک لیکن بیشتر شہری سہولتوں سے آراستہ ہیں۔

موجودہ سہولیات:

★ مقامی ٹرانسپورٹ ★ مقامی سکول بوائز اینڈ گرلز ★ واران (Varan) بس سروس
★ چکری سروس ایریا میں شاپنگ سنٹرز ★ پٹرول پمپ ہسپتال، بنک، ڈاکخانہ، سٹیلائیٹ ٹیلی فون ★ پولیس سٹیشن وغیرہ۔

خصوصی سہولیات

★ کشادہ سڑکوں کا نظام ★ کھیل کے میدان ★ مساجد ★ کمیونٹی سنٹرز
★ ابتدائی تعلیمی سہولیات سے یونیورسٹی سطح تک کے تعلیمی ادارے ★ صحت عامہ
★ سیکورٹی انتظامات ★ قبرستان

امتیازی خصوصیات:

• دین وشریعت • فقہ وقانون • تعلیم وتحقیق • صنعت وتجارت
• انفرمیشن ٹیکنالوجی اور جدید علوم وفنون کے مثالی مراکز کا قیام

قیمت پلاٹ:

20,000 کنال پر مشتمل عظیم الشان منصوبہ میں ترقیاتی اخراجات سمیت یکمشت ادائیگی/قسطوں پر پلاٹ حاصل کیجئے۔ خواہشمند حضرات کے اصرار پر سابقہ اور نئے خریداروں کی سہولت کے لئے ادائیگی اقساط کی مدت تین سال کردی گئی ہے۔ پلاٹ کی قیمت میں کسی اضافے کے بغیر اقساط میں 33.3% کمی کی سہولت حاصل ہوگئی ہے۔

بمعہ ترقیاتی اخراجات

پلاٹ سائز	قیمت پلاٹ	20% ادائیگی بکنگ	گیارہ سہ ماہی اقساط میں	آخری قسط
500 گز	500,000 روپے	100,000 روپے	33,400 روپے	32,600 روپے
250 گز	250,000 روپے	50,000 روپے	16,700 روپے	16,300 روپے
125 گز	125,000 روپے	25,000 روپے	8,350 روپے	8,150 روپے

یکمشت ادائیگی کی صورت میں قیمت پر 10 فیصد خصوصی رعایت دی جائے گی۔

طریقہ کار:

درخواست فارم کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور تین پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک/ڈرافٹ کے ساتھ ہمارے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- ادائیگی کے لئے چیک ڈرافٹ بنام مدینۃ العلم سوسائٹی، پاکستان میں بنک الفلاح لمیٹڈ کی تمام برانچوں (اکاؤنٹ 01122443 برائے پاکستانی روپے) میں سہولت موجود ہے۔
- برائے پاکستانی روپے (Pak Rs.) اکاؤنٹ نمبر: 01122443
- برائے ڈالر (U.S. $) اکاؤنٹ نمبر: 01800375

درخواست فارم بمعہ معلومات بروشر درج ذیل دفاتر کے علاوہ جماعت اسلامی کے دفاتر سے مفت حاصل کیا جاسکتا ہے۔

مدینتہ العلم سوسائٹی (رجسٹرڈ)

لاہور (ہیڈ آفس)

منصورہ ملتان روڈ لاہور پاکستان
فون: 9-7844605/5419520-4 فیکس: 7832194 (92-42)
E-mail: amir@ji.org.pk URL: http://www.jamaat.org

اسلام آباد (پروجیکٹ آفس)

میجر (ر) ابرار اعوان (پروجیکٹ ڈائریکٹر)
فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد
فون نمبر: 051-2270420 موبائل نمبر: 0300-9501354

C.P.L. 236

Phone: 7587916
Fax: 7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE.

قاضی انٹر پرائزز ہی کیوں؟

یہ اعزاز صرف ہمیں ہی حاصل ہے کہ ہمارے 9 منصوبے ایسے ہیں جن میں یا تو ہمارے معزز ممبران رہائش پذیر ہیں یا اپنے پلاٹ فروخت کر کے کئی گنا منافع کما چکے ہیں۔ آپ بھی ہمارے منصوبوں میں سرمایہ کاری کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

اسلام آباد، مری اور راولپنڈی میں گھر، فلیٹ ، فارم نقد اور آسان اقساط پر حاصل کریں

پہلے ہمارے اور دوسروں کے منصوبے دیکھیں اور پھر خریدیں

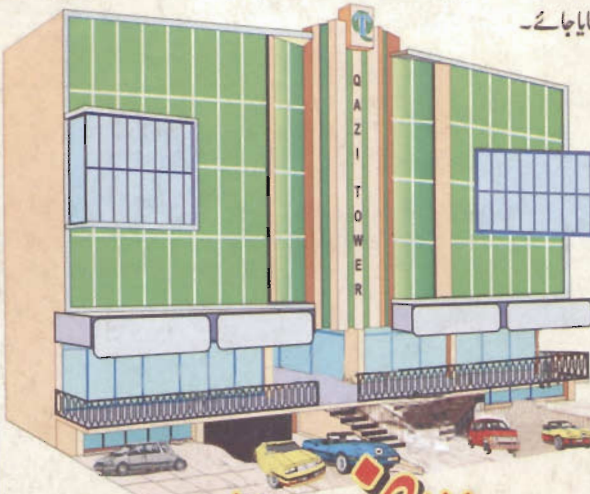
قاضی انٹر پرائزز جس کی بنیاد 1988 میں تقویٰ، توکل، ایمانداری ، جذبہ خدمت اور رزق حلال پر رکھی گئی تھی۔ اسے اللہ کے فضل اور احباب کے تعاون سے بہت ترقی حاصل ہوئی ہے۔ آج نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک پاکستانی بھائیوں میں قاضی انٹر پرائزز پراپرٹی اور ہاؤسنگ کے شعبہ میں ایک اعتماد کا نشان بن گیا ہے۔ ہر دور میں صرف جائیداد ہی محفوظ سرمایہ کاری سمجھی جاتی ہے لیکن اس میں کمرشل جائیداد کا ایک منفرد مقام ہے۔ کمرشل جائیداد میں کی گئی سرمایہ کاری انتہائی منافع بخش ہے۔ ایک عرصہ سے ہمارے ممبران کا مطالبہ تھا کہ راولپنڈی شہر میں کمرشل پراپرٹی کا منصوبہ بنایا جائے۔

مکمل اور آباد منصوبے

- الرحمٰن ٹاؤن راولپنڈی
- پاسبان ٹاؤن راولپنڈی
- گلستان راشد فیز ا راولپنڈی
- فیملی ولاز مری فیز I
- فیملی ولاز مری فیز II
- فیملی ولاز مری فیز III
- موٹر وے سٹی فیز I
- موٹر وے سٹی فیز II
- موٹر وے سٹی فیز III

زیر تکمیل منصوبے

- فیملی گارڈن اسلام آباد
- اسلام آباد ڈبل گارڈن
- قاضی ایگرو فارمز
- فیملی ولاز مری راولپنڈی
- فیملی ولاز مری فیز IV
- ٹائم شیئرنگ فیملی اپارٹمنٹ مری
- قاضی اپارٹمنٹ راولپنڈی
- موٹر وے سٹی فیز IV
- موٹر وے سٹی VIP فیز



قاضی ٹاور

اب کمرشل جائیداد میں سرمایہ کاری کا سنہری موقع جو کہ راولپنڈی شہر کے مرکز چاندنی چوک کے قریب کمرشل ایریا کے وسط میں **قاضی ٹاور** کے نام سے شروع کر دیا گیا ہے

30 ستمبر 2002ء تک بکنگ کرانے پر

5 فیصد خصوصی رعایت

بوقت بکنگ 10 فیصد ایڈوانس

قیمت و طریقہ ادائیگی

دفاتر کی قیمت: 6 لاکھ روپے سے 8 لاکھ روپے تک

دوکان کی قیمت: 10 لاکھ روپے سے 55 لاکھ روپے تک

بقایا رقم کی ادائیگی ایک سال کے اندر سہ ماہی اقساط کی صورت میں، آخری قسط پر قبضہ حوالہ خریدار کر دیا جائے گا۔

تفصیلات کے لئے

قاضی انٹر پرائزز

8 جنگ بلڈنگ مری روڈ راولپنڈی فون 5962230 فیکس 5962189

موبائل: 0300-9569465-9
0300-8549865

WWW.qazi.com.pk

E-mail : Shaukat@isb.comsats.net.pk